

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۲ | صفر المظفر - ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق نومبر - دسمبر ۲۰۱۸ء | شماره: ۱۱-۱۲

مدیر

نگراں

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زرکاپتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : <http://www.darululoom-deoband.com>
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)

R. N. I. No.: 2133/57

Vol. No. 102, Issue No. 11-12, Nov.-Dec. 2018 نवम्बर-दिसम्बर 2018

Printer Publisher :- Maulana Abul-Qasim Numani

Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori

Owner :- Darul Uloom Grush.

Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.

Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 40/=

Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

| | | | |
|-----|---|---|--------------------|
| ۳ | محمد سلمان بجنوری | اسلام میں صحابہؓ کا مقام متعین ہے.... | حرف آغاز |
| ۷ | حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی | صحابہ کرام اور علماء دیوبند کا موقف | مقام صحابہؓ |
| ۱۷ | مولانا حبیب الرحمن قاسمی اعظمی | مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین | کرام رضی اللہ عنہم |
| ۳۲ | مولانا مہر محمد میانوالی | اجماع امت اور عدالت صحابہ کرامؓ | اصلاح معاشرہ |
| ۴۷ | حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ | ایمان کی علامت | مسائل و فتاویٰ |
| ۵۰ | حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی | مشاجرات صحابہ اور امت کا طرز عمل | احوال و کوائف |
| ۶۴ | حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ | کمالات نبوت کے آئینہ دار | وفیات |
| ۶۷ | حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی | دین الہی کے پاسبان | نئی کتابیں |
| ۷۲ | محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی | تمام صحابہؓ عدل ہیں | |
| ۷۶ | حضرت مولانا محمد یوسف بنوری | صحابہؓ کا مقام بلند | |
| ۸۴ | مولانا قاری عبدالعزیز شوقی | صحابہ کرامؓ عقل و بصیرت کی روشنی میں | |
| ۸۸ | مولانا توحید عالم قاسمی بجنوری | حضرات صحابہ کرامؓ قرآن و سنت کی نظر میں | |
| ۹۳ | جناب خان محمد کمر | سلام بحضور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم | |
| ۹۴ | مفتی توقیر عالم قاسمی | اصلاح معاشرہ کی کوششیں ناکام اور بے اثر کیوں؟.... | |
| ۹۹ | مولانا اسرار الحق قاسمی | اسلام میں کردار سازی کی اہمیت و ضرورت | |
| ۱۰۲ | مفتیان کرام دارالعلوم دیوبند | | |
| ۱۰۵ | مولانا محمد اللہ قاسمی | | |
| ۱۰۸ | مولانا محمد اللہ قاسمی | | |
| ۱۰۹ | مولانا اشتیاق احمد قاسمی | تعارف و تبصرہ | |

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

حرف آغاز

اسلام میں صحابہؓ کا مقام متعین ہے اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے

محمد سلمان بجنوری

دو مہینے کا بیشتر کہ شمارہ حضرات صحابہ کرامؓ سے متعلق مضامین پر مشتمل ہے، جس کا مقصد اس موضوع پر اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف اختصار و جامعیت کے ساتھ پیش کرنا ہے۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ایک معروف ادارے کے ایک قدیم استاذ اور معروف عالم دین نے مشاجرات صحابہؓ پر گفتگو کرتے ہوئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا جو ہمارے تمام اکابر و اسلاف اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف سے متصادم ہیں۔ اس سے اہل حق کے حلقوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور خود اُن کے اپنے ادارے نے بجا طور پر اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ان خیالات سے براہِ ت کا اظہار کیا، اگرچہ عام طور پر ذمہ دار شخصیات اور اداروں نے سکوت اختیار کرنا مفید سمجھا، مگر بعض اہل علم کی جانب سے تحریری یا زبانی تردید کے جواب میں مولانا موصوف کی جانب سے اپنے خیالات پر اصرار جاری رہا؛ بلکہ مزید شدت کے ساتھ بعض غلط باتیں پیش کی گئیں، ایسی صورت حال میں خطرہ یہ ہے کہ چوں کہ یہ خیالات کسی غیر سنی شخص کی جانب سے نہیں؛ بلکہ اہل سنت کے ایک ذمہ دار ادارے کے ایک استاذ کی جانب سے سامنے آئے ہیں تو کہیں ہمارے اپنے لوگوں میں جو ناچختہ ذہن ہیں وہ گمراہی کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس بارے میں اہل حق کا موقف واضح کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے چند اہم مضامین اور یہ سطور پیش خدمت ہیں۔

واضح رہے کہ اس چیز کا تعلق کسی خاص ادارے یا شخصیت سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ اہل سنت کے تمام اداروں اور شخصیات کا متفقہ معاملہ ہے، صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایسے خیالات کسی کی جانب سے بھی آئیں گے تو ان کی تردید کرنا ہمارا ایمانی فریضہ ہوگا؛ اس لیے اس کو تعصب اور تنگ نظری کی عینک سے دیکھنے کے بجائے حق پسندی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے، آمین!

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں چند صفحات میں کوئی مفصل بات کرنا تو ممکن نہیں، پھر اس شمارے میں شامل، اکابر علماء کے مضامین اس مقصد کے لیے کافی ہیں، اس لیے ان سطور میں چند باتیں نہایت اختصار کے ساتھ نمبر وار عرض کی جاتی ہیں۔

(۱) سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام میں صحابہ کرام کا مقام، قرآن وحدیث کی روشنی میں متعین ہو چکا ہے، اس سے چھیڑ چھاڑ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، قرآن کریم کی بہت ساری آیات مبارکہ میں اللہ رب العزت نے صحابہ کرام سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا۔ ان کی خصوصیات و اوصاف کو بیان کیا اور ان کی مغفرت کا وعدہ کیا، اسی طرح احادیث شریفہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز سے صحابہؓ کی اہمیت، فضیلت اور بلندی رتبہ کو واضح فرمایا اور اپنے ارشادات مبارکہ کے ذریعہ صحابہؓ کی شخصیات کے گرد ایک حفاظتی حصار کھینچ دیا۔ قرآن وحدیث کی نصوص سے طے پانے والے اس مقدس مقام کو پامال کرنے کی کوشش انسان کو راہ ہدایت سے یقینی طور پر بھٹکا دیتی ہے۔

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی فضیلت ہی بیان نہیں فرمائی؛ بلکہ اپنے بعد راہ ہدایت کی نشان دہی کے لیے اپنی سنت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے طریقہ کو معیار بنایا اور ان کے راستے پر چلنے کی امت کو ہدایت فرمائی۔

(۳) قرآن وحدیث کی ان ہی ہدایات کی روشنی میں صحابہؓ کے بعد خیر القرون کے دونوں طبقات تابعین اور تبع تابعین نے مقام صحابہ متعین کیا۔ اس بارے میں سب کی ترجمانی، حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے اس ارشاد سے ہو جاتی ہے جس میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے دوران آنے والے غبار کو، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جیسی مقدس شخصیت سے افضل قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ مقام صحابہؓ سے چھیڑ چھاڑ کرنے والے طبقہ کو لگام دیتے ہوئے یہ واضح کر دیا تھا کہ مقام صحابہؓ پر گفتگو کی اب کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) مقام صحابہؓ کے بارے میں تابعین و تبع تابعین کے بعد ہر دور کے تمام بڑے علماء، ائمہ، فقہاء و محدثین اور رہنمایان امت نے یہی موقف اپنایا کہ حضرات صحابہؓ اس امت کے رہنما ہیں اور ان کے آپسی معاملات یا مشاجرات کو موضوع بحث بنانے کا شوق آدمی کی گمراہی کے

لیے کافی ہے۔

(۵) حضرات صحابہؓ کے بارے میں اس مضبوط موقف کی بنیاد دراصل یہ بات ہے کہ امت کو سارا دین صحابہ کرامؓ کے ذریعہ ہی ملا ہے، قرآن کریم، احادیث نبویہ اور تمام تعلیمات نبوی کی تفصیلات، امت تک صحابہ کرام ہی کے واسطے سے پہنچی ہیں، ایسے میں اگر حضرات صحابہؓ کی شخصیات مجروح ہوں گی تو پورا دین مجروح اور ناقابل اعتماد قرار پائے گا۔

(۶) صحابہ کرامؓ کے سلسلے میں زبان کھولنے والوں کو اس حقیقت پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ اُن کی اس فکر کی زد خود خاتم الانبیاء رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر پڑتی ہے؛ کیوں کہ آپ کو اللہ رب العزت نے انسانوں کے تزکیہ و تربیت کی ذمہ داری دی تھی اور اس کو آپ کے فرائض میں بڑی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور آپ کی تربیت و تزکیہ سے براہ راست مستفید ہونے والی جماعت صحابہ کرامؓ ہی ہیں جیسا کہ ویز کیکم کا لفظ بھی اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے تو اگر یہ سمجھا جائے کہ بعض صحابہ کرامؓ کی شخصیات میں کوئی کسر رہ گئی تھی یا اُن کی اعلیٰ اخلاقی تربیت پورے طور پر نہیں ہو پائی تھی، تو غور فرمائیں، اس کو تاہی کی نسبت کہاں پہنچ جائے گی؟ اور پھر ہمارے ایمان کا کیا ہوگا؟

(۷) ایک بہت اہم بات جس پر توجہ کی ضرورت ہے یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کی شخصیات اور اُن کے کردار کو موضوع بحث بنانے کا سلسلہ جس طبقہ نے اور جن مقاصد کے لیے شروع کیا تھا اور اُس کا جو پس منظر تھا وہ ایسی چیز ہے کہ اُس کو محسوس کرنے کے بعد کوئی بھی صاحب ایمان اس میدان میں قدم رکھنے سے ہزار بار پناہ مانگے گا۔ بات یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے جس طبقہ کو آپ کی تصدیق کرنی چاہیے تھی وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تھے؛ کیوں کہ وہ آپ کو قرآن کے بیان کے مطابق اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے؛ لیکن اُن کی طبیعت میں آپ سے حسد پیدا ہو گیا اور انھوں نے اور خاص طور پر ان میں سے یہودیوں نے آپ کی مخالفت کو اپنا مشن بنالیا اور اس کے لیے ہر ہتھکنڈ استعمال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے اسلام کو مٹانے کے راستے تلاش کرنے شروع کیے، اس مقصد کے لیے انھوں نے دین کو بے اعتبار بنانے کا پلان بنایا اور اس کے لیے جماعت صحابہؓ کو نشانہ بنایا اور اپنے منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی چالاک کی کے ساتھ محبت

اہل بیت کا سہارا اس طرح سے شیعہ مذہب وجود میں آیا۔ بعد کی تمام تفصیلات اسی کا شاخسانہ ہیں، مشاجرات صحابہ کو بھڑکانے، جلتی پر تیل ڈالنے اور فریقین کو دھوکا دینے کا کام اسی طبقہ نے کیا، چند جملوں میں یہ خلاصہ ہے اس مذہب کی بنیاد اور مشن کا۔ آج کوئی عام شیعہ چاہے ان مذموم مقاصد کو جانتا بھی نہ ہو؛ لیکن اس کے مذہب کی بنیاد یہی ہے۔ اب اگر کوئی شخص حضرات صحابہؓ کی شخصیات کو موضوع بحث بناتا ہے تو وہ غور کر لے کہ اس کا فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔

(۸) مولانا موصوف نے صحابی کی تعریف سمیت جتنے مسائل چھیڑے ہیں، وہ سب پہلے ہی طے پا چکے ہیں۔ علماء امت نے اُن پر مفصل بحث کر کے حق کو واضح کر دیا ہے۔ ان مسائل میں اہل باطل کے افکار کو اپنا کر اہل حق کے سامنے سوال کھڑے کرنا، کسی باخبر سنی عالم کو زیب نہیں دیتا۔ خاص طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا لہجہ نہایت غلط ہے اور اس سے بھی خطرناک بات انھوں نے یہ کی کہ لشکر اسامہؓ کے حوالے سے گفتگو کر کے خود خلافت صدیقی پر سوالات کھڑے کر دیے ہیں، جو خالص شیعیت کی ترجمانی ہے، کاش انھوں نے اس موضوع پر زیادہ نہیں صرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریرات خاص طور پر ازالۃ الحفاء کو سامنے رکھا ہوتا تو یہ سنگین غلطی اُن سے سرزد نہ ہوتی۔

(۹) جہاں تک رجوع کی بات ہے یا اتحاد امت کی دہائی ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ اس سے اس نقصان کا ازالہ نہیں ہو سکتا جو اصل بیانات سے ہو رہا ہے، خاص طور پر جب کہ رجوع اور وضاحت میں اپنے اُن افکار کی صحت پر اصرار شامل ہو۔ اتحاد امت کی فکر ہے تو ایسے نازک مسائل پر اہل حق کے موقف سے بالکل متضاد و متضادم خیالات ظاہر کرنے کا کیا مطلب ہے؟

(۱۰) آخر میں تمام اہل علم سے نہایت ادب اور دل سوزی کے ساتھ عرض ہے کہ خدا را موجودہ حالات کی نزاکت کو سمجھیں اور اسلاف امت کی راہ پر مضبوطی کے ساتھ گامزن رہ کر امت کو بھی اسی راستہ پر چلانے کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں۔ نئے نئے افکار و خیالات سے اجتناب کریں، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو اپنا فریضہ جانتے ہوئے، مشترکہ ملی معاملات میں اتحاد کی صلاحیت کا بھی ثبوت دیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء دیوبند کا موقف

از: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی زید مجدہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

یوں تو علوم و فنون، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور وہ تمام چیزیں جن کی انسانی زندگی میں ضرورت پیش آتی ہے ان کی تحصیل و تکمیل فرائض میں داخل ہے؛ لیکن ان تمام فرائض میں نفوس انسانی کی تہذیب و تکمیل سب سے اہم اور ضروری فرض ہے؛ اسی لیے دنیا میں انسان اول حضرت آدم علیہ السلام ہی اس ذمہ داری سے گراں بار ہو کر تشریف لائے، پھر یہ سلسلہ ترقی کرتا ہوا خلاصہ کائنات نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک پہنچ کر ابدالآباد تک کے لیے مکمل ہو گیا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ...

اب اگر یہ پوچھا جائے کہ اس تہذیب و تمدن اور اخلاقِ فاضلہ کے آخری علم بردار نے نفوس انسانی کی تہذیب میں کون سا کمال کر دکھایا؟ تو جواباً صحابہ کرام کی ان مقدس شخصیات کو پیش کر دیا جائے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اعمال کے مظہر اتم، آپ کی تعلیم و تربیت کی واضح مثال، آپ کے ارشاد و ہدایت کے مخاطب اول اور آپ کے فیضِ صحبت سے شب و روز بہرہ اندوز تھے، یہ مقدس جماعت، رسول خدا اور خلق خدا کے درمیان خدا تعالیٰ کا ہی عطا کیا ہوا وہ واسطہ ہے جس کے بغیر نہ اللہ کا نازل کردہ قرآن ہاتھ آ سکتا ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ بیان قرآن

لَتَبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ.

یہ مقدس جماعت دینِ مستقیم کی امین و محافظ، سنت نبوی کی پاسبان اور اسوۂ رسالت کا مجسم نمونہ تھی اور اس کی سیرت، سیرت النبی کا پر تو ہے، اس قدسی صفات جماعت نے تعلیمات نبوی کو اپنے زن و فرزند اور اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز رکھتے ہوئے اپنا سب کچھ قربان کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں من و محسن و بلا کم و کاست پہنچایا ہے، اس مقدس جماعت کی تنقیص و تنقید نہ صرف یہ کہ ان

قلوب کو منور کرنا اور کفار و فجار کے انجام بد سے نصیحت حاصل کرنا وغیرہ فنِ تاریخ کے فوائد ہیں جو واقعات نگاری اور احوال ماضیہ کو بیان کرنے کا نام ہے؛ اس لیے اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے، اس کی اہمیت کے لیے تو یہی کافی ہے کہ قصص و تاریخ، قرآن کریم کے پانچ علوم میں سے ایک ہے اور اس کا وہ حصہ جس پر حدیث نبوی کے صحت و سقم کو پہچاننے کا مدار ہے، اس اہمیت کے باوجود تاریخ کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس سے عقائد کے باب میں استدلال کیا جائے، یا حلال و حرام کی تعیین میں حجت قرار دیا جائے، یا قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ مسائل میں تاریخی روایات کی بنا پر شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں؛ اس لیے صحابہ کرامؓ اور تاریخی روایات کے باب میں علماء دیوبند کا موقف جمہور امت کے مطابق یہ ہے کہ:

(۱) چوں کہ صحابہ کرامؓ عام افراد امت کی طرح نہیں ہیں؛ بلکہ یہ حضرات، رسول خدا اور خلق خدا کے درمیان خدا تعالیٰ کا ہی عطا کیا ہوا ایک واسطہ ہیں، یہ از روئے قرآن و حدیث ایک خاص مقام رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کے مقام کی تعیین تاریخ سے نہیں، قرآن و سنت سے کی جائے گی۔

(۲) چوں کہ قرآن کریم کی دسیوں آیات میں صحابہ کرامؓ کے حالات مصرح مذکور ہیں؛ اس لیے تاریخی روایات ان کے معارض قطعاً نہیں ہو سکتیں۔

(۳) یہ ان احادیث صحیحہ ثابہ کے بھی معارض نہیں ہو سکتیں جن کے جمع و تدوین میں وہ احتیاط برتی گئی ہے جو احتیاط تاریخ میں نہیں کی گئی، اصول حدیث کے معروف امام ابن صلاح لکھتے ہیں:

”وَغَالِبٌ عَلَى الْأَخْبَارِ بَيِّنُ الْإِكْثَارِ وَالتَّخْلِيطُ فِي مَا يَرُودُهُ“ (علوم الحديث، ص: ۲۶۳)

”مؤرخین میں یہ بات غالب ہے کہ روایات کثیرہ جمع کرتے ہیں جن میں صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات خلط ملط ہوتی ہیں۔“

(۴) پھر یہ مسئلہ عقائد اسلامیہ سے متعلق ہے اور جمہور امت نے کتب عقائد میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق مفصل یا مجمل اس کا ذکر کیا ہے؛ اس لیے اس کا مدار قرآن و سنت پر ہی رکھا جاسکتا ہے نہ کہ تاریخ کی خلط ملط روایات پر۔

عدالت صحابہ اور علماء دیوبند

عدالت اور عدل کے معنی کی فقہاء و محدثین نے مختلف تعبیریں کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ عادل وہ شخص ہے جو مسلمان عاقل بالغ ہو، کبار سے مجتنب ہو، صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو، نیز صغائر کا

عادی بھی نہ ہو، حافظ ابن حجر عسقلانی شرح الخبہ میں فرماتے ہیں:

وَالْمَرَادُ بِالْعَدْلِ مَنْ لَهُ مَلَكَ تُحْمَلُهُ عَلَى مِلَازِمَةِ التَّقْوَى وَالْمَرْوَةِ وَالْمَرَادُ
بِالتَّقْوَى اجْتِنَابُ الْأَعْمَالِ السَّيِّئَةِ مِنْ شَرِّكَ، أَوْ فَسَقٍ، أَوْ بَدْعَةٍ (شرح النخبہ،
ص: ۲۴-۲۵ طبع دیوبند)

عدل سے مراد وہ شخص ہے جسے ایسا ملکہ حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور مروت کی پابندی پر
براہیختہ کرے اور تقویٰ سے مراد شرک، فسق اور بدعت جیسے اعمالِ بد سے اجتناب ہے۔
عدالت صحابہؓ کے حوالے سے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے شانہ بہ شانہ علماء دیوبند کا موقف
یہی ہے کہ:

”الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُولٌ مَنْ لَا بَسَ الْفِتْنِ وَغَيْرُهُمْ“

صحابہ سب کے سب عادل ہیں جو اختلافات کے فتنے میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور
دوسرے بھی۔

علماء دیوبند صحابہ کرامؓ کی عظمت و جلالت میں کسی تفریق کے بھی قائل نہیں کہ کسی کو لائقِ محبت
سمجھیں اور کسی کو۔ معاذ اللہ۔ لائقِ عداوت، کسی کی مدح میں رطبُ اللسان رہیں اور کسی کے حق میں
تبرائی بن جائیں، ان کے نزدیک تمام صحابہ شرفِ صحبت میں یکساں ہیں؛ البتہ باہم فرقی مراتب ہے
اور یہی جمہور کا قول معتبر ہے۔

وَالْقَوْلُ بِالتَّعْمِيمِ هُوَ الَّذِي صَرَّحَ بِهِ الْجُمْهُورُ وَهُوَ الْمَعْتَبَرُ. (تدريب الراوى،

ص: ۴۰۰)

پھر علماء دیوبند ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تو بہت دور کی بات رہی کسی ادنیٰ سی ایسی
بات کو بھی روا نہیں رکھتے جو ان کے منصب و عظمت کے شایانِ شان نہ ہو؛ اس لیے اگر کوئی صحابہؓ کے
سلسلے میں یوں ہرزہ سرائی کرتا ہے کہ

”کچھ صحابہ فاسق ہیں جیسا کہ ولید (بن عقبہ) اور اسی کے مثل کہا جائے گا معاویہ، عمرو،

مغیرہ اور شعبہ کے حق میں“۔ (کہ معاذ اللہ وہ بھی فاسق ہیں) (نزل الابرار: ۹۴/۲)

یا کوئی اپنے قلب کا ضلال یوں ظاہر کرتا ہے:

”عائشہ حضرت علیؓ سے لڑ کر مرتد ہوئی اگر بے توبہ مری تو کافر مری (العیاذ باللہ) اور

صحابہ کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو سب کی حدیثیں یاد ہیں، صحابہ سے ہمارا علم بڑا

ہے صحابہ کو علم کم تھا۔“ (کشف الحجاب، ص: ۲۱)
یا کوئی یوں زبان تنقیص دراز کرتا ہے:

”ان میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے تھے اور فی الواقع تھے جن کے اندر تزکیہ نفس کی اس بہترین تربیت کے باوجود کسی نہ کسی پہلو میں کوئی کمزوری باقی رہ گئی تھی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہ صحابہ کرامؓ کے ادب کا کوئی لازمی تقاضہ بھی نہیں ہے کہ اس کا انکار کیا جائے۔“ (خلافت و ملوکیت، ص: ۲۸۳)
یا کسی کی ہفوات کا ظہور یوں ہوتا ہے:

”عثمان، معاویہ اور یزید، سب ایک ہی درجے کے ظالم و مجرم تھے، بقیہ صحابہ یا توشیخین کے گروپ کے تھے اور اقتدار تک پہنچنے کے ان کے مقصد کی تکمیل میں شریک بن گئے تھے، یا وہ شیخین اور ان کے حامیوں سے خائف تھے، شیخین کے خلاف کوئی بات زبان پر لانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔“ (مزید دیکھیے، خمینی، کشف الاسرار، ص: ۱۱۲-۱۲۰)
تو اس قسم کی تمام تر ہرزہ سرائیوں سے علماء دیوبند؛ بلکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ نہ صرف یہ کہ اظہارِ برأت اور ان کی مذمت کرتے؛ بلکہ اس طرح کے خیالات رکھنے والوں کے اسلام کو مشکوک مانتے اور اس ہرزہ سرائی کو زندقہ گردانتے ہیں اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
”إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى شَرِّكُمْ“ (جمع الفوائد: ۴۹۱/۲)

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہہ دو کہ خدا کی لعنت ہو اس پر جو تم میں بدتر ہے۔
کی روشنی میں ایسے لوگوں کو مستحق لعنت شمار کرتے ہیں، امام مسلمؒ کے استاذ امام ابو زرعہ عراقی فرماتے ہیں:

”جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے؛ اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں، قرآن حق ہے، قرآن و سنت ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ کرامؓ ہیں، یہ تنقیص کرنے والے، ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں؛ تاکہ کتاب و سنت کو باطل کریں؛ لہذا خود ان کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے، یہ زندیق ہیں۔“ (الکفایہ، خطیب بغدادی، ص: ۴۹ حیدر آباد، دکن)

الغرض علماء دیوبند اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عدالت صحابہ کے مسئلہ پر امت کا اجماع ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی قطعاً کوئی راہ نہیں، پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ لفظ ”سب“ عربی زبان کے اعتبار سے صرف فحش کلامی اور گالی گلوچ کو ہی نہیں کہتے؛ بلکہ ہر ایسا کلام جس سے کسی کی تنقیص و توہین یا دل آزاری ہوتی ہے وہ لفظ ”سب“ میں داخل ہے۔

صحابہ کرام معصوم نہیں!

عدالت صحابہ کے مسئلے میں مذکورہ بالا وسعت اور عموم کے باوجود ہم ان کو معصوم نہیں کہتے؛ البتہ انھیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں جو ولایت کا انتہائی مقام ہے جس میں بشارت ایمان، جو ہر نفس بن جاتی ہے اور تقویٰ باطن ہمہ وقت مدگر رہتا ہے، اس میں امکان معصیت رہتا ہے اور معصیت کا صدور ہوا بھی ہے؛ لیکن اس میں تقاضائے بشری اور بیرونی عوارض کا فرما رہے، دواعی قلب کا دخل نہ رہا تھا اور اس صدور معصیت سے ان کی باطنی بزرگی اور باطنی تقویٰ کو جس کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے متہم نہیں کیا جاسکتا وَالْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔

ایک شبہ کا ازالہ

البتہ یہاں ایک خلجان دل میں پیدا ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ جب صحابہ کرام چھوٹے بڑے سب کے سب صرف روایت حدیث میں نہیں؛ بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں عادل ہیں اور عدالت کے مفہوم میں کبار شرک و فسق اور بدعت وغیرہ سے اجتناب شامل ہے اور صحابہ معصوم بھی نہیں، ان سے صدور معصیت ہوا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود بھی جاری فرمائی ہیں، تو پھر ان صحابہ کرام پر عدالت کا مفہوم کیوں کر صادق آ سکتا ہے؟

اس سلسلے میں علماء دیوبند اور اہل السنۃ والجماعۃ کا واضح جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ بعض صحابہ سے معصیت کا صدور ہوا؛ لیکن معصیت، عدالت کے لیے نقصان دہ اس وقت ہے؛ جب کہ اس سے توبہ نہ کی گئی ہو یا اللہ تعالیٰ نے از خود معاف نہ کر دیا ہو اور امت کے عام افراد کے حق میں یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان کے گناہ کی معافی ہوئی یا نہیں؛ اس لیے جب تک وہ توبہ نہ کر لیں اور توبہ پر ثابت قدمی ظاہر نہ ہو جائے ان کو ساقط العدالت ہی مانا جائے گا؛ مگر صحابہ کرام کا معاملہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ:

(۱) صحابہ کرام کے قلوب میں جو خوف و خشیت اور معاصی سے تنفر راسخ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہ گمان رکھیں کہ انھوں نے ضرور توبہ کر لی ہوگی اور بعض کا توبہ کرنا قطعی دلائل سے معلوم بھی

ہے ان کا حال یہ ہے کہ وہ صرف زبانی توبہ پر اکتفا نہیں کرتے؛ بلکہ کوئی اپنے آپ کو رجم جیسی سخت ترین سزا کے لیے پیش کر دیتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا ہے اور جب تک قبول توبہ کا اطمینان نہیں ہو جاتا اس کو صبر نہیں آتا۔

(۲) ہمارا خیال ہے کہ ان کے حسنات، دینِ متین کے تئیں ان کی قربانیاں اور ان کی رسول اللہ سے محبت و نصرت اتنی عظیم اور بھاری ہے کہ عمر بھر کا ایک آدھ گناہ وعدہ الہی کے مطابق معاف ہو ہی گیا ہوگا۔ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔

(۳) یہ ہمارا محض خیال نہیں ہے یہ قرآن کریم کی ایک سے زائد آیات سے مؤید اور تصدیق شدہ ہے؛ کہیں صحابہ کرام کی کسی خاص جماعت کے لیے خاص اور کہیں سابقین و آخرین تمام صحابہ کرام کے لیے عام اعلان ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے، بیعت حدیبیہ میں شریک تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام کے بارے میں قرآن کریم کا یہ واضح اعلان ہے:

”لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ“

اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

سابقین و آخرین تمام صحابہ کرام کے بارے میں اعلان کیا گیا:

وَالسَّابِقُونَ الْأُولَىٰ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

اور مهاجرین اور انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

سورہ ”الحديد“ میں ارشاد باری ہے:

”وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ“

اللہ نے ان میں سے ہر ایک سے حسنی کا وعدہ کر لیا ہے پھر سورہ ”انبیاء“ میں حسنی کے متعلق یہ ارشاد ہے:

”إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ“

جن کے لیے ہماری طرف سے حسنیٰ مقدر کر دی گئی وہ جہنم سے دور کیے جائیں گے۔

جب ان آیات قرآنیہ سے صحابہ کرام کی لغزشوں کی معافی واضح طور پر معلوم ہو گئی تو ان کو کسی

وقت بھی کسی معاملے میں ساقط العدالت یا فاسق نہیں کہا جاسکتا۔

صحابہ کرامؓ کے غیر معصوم ہونے اور ان کے عادل ہونے میں جو ایک ظاہری شبہ ہوا کرتا ہے اس کا جواب جمہور امت کے نزدیک یہی ہے جو بالکل واضح اور صاف ہے۔

مشاجرات صحابہ اور علماء دیوبند

صحابہ کرامؓ کے مابین جو اخلافات رونما ہوئے اور خون ریز جنگوں تک کی نوبت آگئی ان اختلافات کو علماء امت، صحابہ کرامؓ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ”مشاجرات“ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، جنگ و جدال کی تعبیر سے گریز کرتے ہیں کہ اس میں یک گونہ ان کے تئیں سور ادب ہے، ”مشاجرہ“ کے معنی از روئے لغت ایک درخت کی شاخوں کا دوسرے میں داخل ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ درختوں کے لیے باعث زینت ہے نہ کہ عیب، اس طرح علماء امت اس اختلاف کی تعبیر سے ہی یہ اشارہ دینا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے وہ اختلافات جو اپنی انتہاء کو پہنچ گئے تھے اور جس میں وہ باہم برسرِ پیکار بھی ہو گئے، وہ اختلافات بھی کوئی نقص و عیب نہیں؛ بلکہ زینت و کمال ہیں۔

مشاجرات صحابہؓ میں باعث تشویش یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق، جب تمام صحابہ کرامؓ واجب الاحترام اور لائق تعظیم ہیں اور کسی ایک کے حق میں بھی ادنیٰ سے ادنیٰ سور ادب کی گنجائش نہیں تو پھر اختلاف کے موقع پر یہ احترام کیسے قائم رہ سکتا ہے؛ کیوں کہ ان اختلافات میں ایک فریق کا حق پر اور دوسرے فریق کا خطا پر ہونا بدیہی ہے؛ بلکہ ایمان و عقیدے کے لیے اہل حق اور ار باب خطا کی تعیین ضروری بھی ہے تو جو خطا پر ہیں ان کی تنقیص ایک لازمی امر ہے۔

مشاجرات صحابہؓ کے اس شبہ کے سلسلے میں علماء امت اور علماء دیوبند کا دو ٹوک موقف یہ ہے کہ باجماع امت تمام صحابہ کرامؓ واجب التعظیم ہیں، اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جنگ و جدال و جنگ صفین میں حضرت علیؓ - کرم اللہ وجہہ - حق پر تھے اور ان سے مقابلہ کرنے والے حضرت معاویہؓ وغیرہ خطا پر؛ لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی جو شرعاً گناہ نہیں کہ جس پر وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب کے مستحق قرار پائیں؛ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ جب انھوں نے اصول اجتہاد کی رعایت کرتے ہوئے اپنی وسعت بھر تمام تر کوشش کی پھر بھی خطا ہو گئی تو وہ ایک اجر کے حق دار ہوں گے، اس طرح خطا و صواب بھی واضح ہو گیا اور صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبے پر کوئی آنچ بھی نہیں آئی، ہمارے خیال میں مشاجرات صحابہ کے حوالے سے ”امام قرطبی“ نے اپنی تفسیر میں سورۃ الحجرات کی آیت ”وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا“ کے ذیل میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی بہترین تحقیق فرمائی ہے، اس کا مطالعہ کر لینا ہی

چاہیے، یہ سطور اس تفصیل کی متحمل نہیں۔

تاہم مفسر موصوف کے ایک استدلال کا خلاصہ نقل کر دینا مناسب ہوگا جو - انشاء اللہ - بیمار دلوں کے لیے سامان شفاء ہوگا۔

مفسر موصوف نے اس نظریے کو مدلل کرتے ہوئے کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی گناہ اور فسق و فجور کا مرتکب نہیں تھا، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عمارؓ سے متعلق ارشادات نبوی بیان فرمائے ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا ہے: ”طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں“ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں خود حضرت علیؓ سے یہ حدیث مروی ہے: ”زبیر کا قاتل جہنم میں ہے“ حضرت علیؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو“ اور یہ دونوں حضرات ان عشرہ مبشرہ میں ہیں جن کے نام لے کر جنتی ہونے کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، پھر یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا تھا، حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا اور اسی دوران شہید ہوئے۔

دوسری طرف حضرت عمار بن یاسر - رضی اللہ عنہ - ہیں، حضرت علیؓ کے طرف دار ہیں، آپ کے مخالفین سے پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی بھی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

جب حال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے طرف دار بھی شہید اور مخالفین بھی شہید، تو پھر کیسے کسی فریق کو گناہ گار یا فاسق کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ ان تمام حضرات کے پیش نظر رضا، الہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا، دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہ تھا؛ بلکہ اجتہاد دورائے کی بنا پر تھا جس پر کسی بھی فریق کو مجروح و مطعون نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح جو صحابہ کبارہ کش رہے وہ بھی اجتہاد کی بنا پر؛ اس لیے وہ بھی نقص و عیب سے مبرا اور واجب التعظیم ہیں۔

پھر علماء دیوبند کے نزدیک سب سے اہم سکوت اور کف لسان ہے اور حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول ان کے لیے اسوۂ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

”یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے، ہم نہیں جانتے، جس معاملے پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے، ہم اس میں ان کی پیروی

کرتے ہیں اور جس معاملے میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔“ (قرطبی سورہ حجرات)

خلاصہ کلام

الغرض! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتاب و سنت کی روشنی میں اس امت کے افضل ترین اور مقدس ترین افراد ہیں، ان کے قلوب صاف اور وہ عند اللہ راضی و مرضی ہیں، وہ سب کے سب عادل، متقن اور پاک باطن ہیں، امت کا کوئی بڑے سے بڑا ولی ان میں سے ادنیٰ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، وہ حق و باطل کی کسوٹی ہیں اور تنقید سے بالاتر؛ ان کی محبت، اللہ اور رسول اللہ کی محبت ہے اور ان سے بغض اللہ اور اللہ کے رسول سے بغض، ان کی عیب جوئی اور ان کے مشاجرات کو اچھا لانا بیغ باطن کی علامت اور زندقہ ہے، ان کے اختلافات حق و باطل کے نہیں، اجتہادی خطا و صواب کے ہیں؛ اس لیے ان پر معصیت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

ان سطور کو سرخیل جماعت دیوبند شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہ کے تلمیذ رشید، استاذ محترم حضرت مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے ایک قول پر ختم کیا جاتا ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے:

”صحابہ کرامؓ فارق بین الحق والباطل ہیں؛ چنانچہ قرونِ اولیٰ میں روافض و خوارج کے ضلال کی ایک وجہ یہی تنقیص صحابہ تھی اور دورِ حاضر میں ”غیر مقلدین“ و ”مودودین“ کے ضلال کا بھی ایک سبب یہی ہے۔“



مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

از: حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی معصوم نہیں ہے اور کوئی فرد یا جماعت کسی غیر رسول کی عصمت کا مدعی ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں کاذب اور جھوٹا ہے۔ اس لیے جماعتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہر انسان سے صواب و خطا اور خیر و شر کا صدور ہو سکتا ہے؛ البتہ بعض خدا کے ایسے سعید بندے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی پر خیر و صلاح کا غلبہ ہوتا ہے، اسی غلبہ خیر کی بنا پر انھیں نیک، صالح، ولی وغیرہ محترم ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ زلات و سینات سے بالکل پاک ہیں۔

اس کے بالمقابل کچھ نابکار ایسے بھی ہیں جو مجموعہ شرور و معاصی اور خزیئہ فسق و فساد ہوتے ہیں، ان کے فسق و فساد کی یہ کثرت انھیں ظالمین و مفسدین کے زمرے میں پہنچا دیتی ہے، بایں ہمہ ان کا بھی دامن حیات خیر و صلاح سے یکسر خالی نہیں ہوتا۔

صلحائے امت کی حیات و سوانح پر بحث و تحقیق کے وقت ان کی بعض لغزشوں اور بشری کمزوریوں کے پیش نظر ان کے جملہ محاسن و مزایا پر خطِ تنسیخ کھینچ دینا اور ان کے سارے حسنات و خیرات کا انکار کر کے انھیں ظالمین و مفسدین کی صف میں کھڑا کر دینا علم و دیانت کے سراسر منافی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ظالمین و مفسدین کے چند گئے چنے اچھے کاموں کو سامنے رکھ کر ان کی زندگی کے سارے سیاہ کارناموں سے آنکھیں بند کر کے انھیں صلحاء و اولیاء کی جماعت میں شامل کر دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہوگا؛ بلکہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال خیر و شر کی قلت و کثرت کے اعتبار سے معاملہ کیا جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں اَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں حکم تھا کہ ہم لوگوں کو ان کے درجات

گرفرق مراتب نہ کنی زندیقی

بحث و نظر اور تحقیق و تبصرہ کا یہ ایسا لازمی اصول ہے جس سے غفلت اور بے اعتباری ایک محقق و مبصر کو دائرہ بحث و تحقیق سے نکال کر افراط و تفریط اور تنقیص و تضلیل کی صف میں پہنچا دیتی ہے، جس سے خود اس کی ذات مجروح اور علمی کاوشیں بے سود ہو کر رہ جاتی ہیں۔

پراپک محقق کی علمی دیانت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ کسی شخصیت پر بحث کرنے کے لیے اس سے متعلق جو درست، صالح، معتبر اور مستند مواد ہیں انھیں کو کام میں لائے، خود تراشیدہ، غیر مقبول اور گری پڑی باتوں کو بنیاد بنا کر اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا نہ صرف اس شخصیت پر ظلم ہے؛ بلکہ خود علم و تحقیق کے ساتھ مذاق کرنا ہے، محقق کا یہ رویہ بھی اسے پایہ اعتبار سے ساقط اور علمی خیانت سے مہم کر دیتا ہے، باری تعالیٰ عز اسمہ کا ارشاد ہے یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا جب غلط کار دروغ گو کوئی خبر دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایک دوسری آیت میں ہے اذا ضربتم فی الارض فتبینوا، اس لیے صحیح، سقیم، قوی، ضعیف کی اچھی طرح چھان بین کے بعد ہی کوئی فیصلہ درست سمجھا جائے گا۔

عام اسلامی شخصیات سے ہٹ کر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور ان کے مقام و مرتبہ پر بحث و کلام کے لیے محض تاریخی روایات پر انحصار و اعتماد بھی ایک محقق کو راہ اعتدال اور راہ صواب سے دور کر دیتا ہے؛ کیونکہ تاریخ کو ہرگز یہ حیثیت حاصل نہیں ہے کہ اس کی شہادت سے کتاب و سنت کے مسلمات کے خلاف استدلال فراہم کیا جائے؛ البتہ خدا اور عام امت کے درمیان دین خالص کے صحیح تصور کے لیے اگر کوئی قابل اعتماد واسطہ ہے تو وہ صحابہ کرام کی برگزیدہ اور مقدس جماعت ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے یہ ساتھی ہی آپ کے پیغام اور آپ کی تعلیمات کو پورے عالم میں پہنچانے والے ہیں، صحابہ کرام کی اس داعیانہ حیثیت کا اعلان خود خدا نے علیم و خبیر نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی یوں فرمایا ہے قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي اَدْعُوا اِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ اَنَا وَمَنْ اتَّبَعَنِي الْاٰیۃُ آپ اعلان کر دیں کہ یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف، سمجھ بوجھ کر میں اور میرے ساتھی۔ مطلب یہ ہے کہ کسی اندھی تقلید کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ حجت و برہان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں، میں اور میرے اصحاب دین تو حید کی دعوت دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نور بصیرت عطا فرمایا تھا، آپ کے فیض صحبت سے ہر صحابی کا دل و دماغ اس نور سے روشن ہو گیا

تھا اور دعوت الی اللہ علی وجہ البصیرۃ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو اور رفیقِ کار بن گئے تھے، حدیث پاک ”ما أنا علیہ وأصحابی“ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کے اسی مرتبہ بلند کو بیان فرمایا ہے، اس لیے صحابہ کی سیرت درحقیقت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا جز ہے، عام شخصیات و رجال کی طرح انھیں صرف کتب تاریخ کی روشنی میں نہیں؛ بلکہ قرآن و حدیث اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ میں دیکھا جائے گا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومن توقيره صلى الله عليه وسلم توقير اصحابه وبرهم معرفة حقهم والقتداء بهم وحسن الثناء عليهم والاستغفار لهم والإمساك عما شجر بينهم ومعاداة من عاداهم والاضراب عن أخبار المؤرخين وجهلة الرواة. (الاساليب البديعة ص ۸)

ترجمہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں سے ہے صحابہ کی تعظیم کرنا، ان سے حسن سلوک کرنا، ان کے حق کو پہچاننا، ان کی پیروی کرنا، ان کی مدح و ستائش کرنا، ان کے واسطے استغفار کرنا، ان کے باہمی اختلاف کے ذکر سے (زبان و قلم کو) روک رکھنا، ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا مورخین اور جاہل راویوں کی (ان کی خلاف شان) روایتوں کے نقل و بیان سے باز رہنا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں؛ مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں؛ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہوگا۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۱، ص ۲۴۲ مکتوب ۸۸)

حضرات صحابہ کا یہ تقدس و امتیاز کسی انسانی شخصیت و جماعت کا عطا کردہ نہیں ہے؛ بلکہ انھیں یہ رتبہ بلند خود مالک کائنات و خالق دو جہاں کے دربار سے مرحمت ہوا ہے، ذیل میں چند آیات ملاحظہ فرمائیں آپ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی:

(۱) کنتم خیر أمةٍ أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر
وتؤمنون بالله. (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک

کاموں کو کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہو، اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو انتم فرماتے اس وقت خطاب کی وسعت میں پوری امت مرحومہ براہ راست داخل ہو جاتی، مگر اللہ تعالیٰ نے کنتم فرمایا اور صحابہ کی تخصیص فرمادی، اب رہے امت کے باقی لوگ تو وہ جیسے اعمال کریں گے وہ بھی ان کے تابع ہو کر اس خیریت و افضلیت کے مصداق ہو جائیں گے۔ (اخر جہ انجریر و ابو حاتم عن السدی)

حضرت فاروق اعظمؓ نے آیت پاک کا مصداق اولین صحابہ کرام کو قرار دیا ہے اور امت کے دیگر وہ افراد جو آیت پاک میں مذکورہ صفات کے حامل ہوں گے انھیں ثانوی درجہ میں شامل کیا ہے اور عربی زبان کے قواعد کی رو سے یہ بات اس طرح سمجھائی ہے کہ اُنتم خیر امة جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت نسبت کو بتاتا ہے، تو اُنتم سے خطاب عام ہوگا جس کے عموم و وسعت میں موجود و غیر موجود سب داخل ہو جائیں گے، لیکن جب ضمیر ”اُنتم“ پر ”کان“ فعل ماضی داخل کر دیا جائے تو وقوع و حدوث کا معنی پیدا ہو جائے گا، اس صورت میں کنتم کے مخاطب صرف موجودین ہوں گے، یعنی نزول آیت کے وقت جو امت موجود ہے وہی اس کی مصداق اولین ہوگی، یہ آیت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلا تخصیص جماعت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل ہیں، علامہ سفارینی نے شرح عقیدۃ الدرۃ المصنیۃ میں اسے جمہور امت کا مسلک قرار دیا ہے کہ انبیاء کے بعد صحابہ کرام افضل الخلاق ہیں، ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں کون افضل ہے تو انھوں نے فرمایا لا نعدل بأصحابہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم أحدًا (الروضة الندية شرح العقيدة الواسطیۃ ابن تیمیہ ص ۴۰۵)

امام ابن حزم اپنی مشہور کتاب الفصل میں لکھتے ہیں ولا سبیل الیٰ أن یلحق أقلہ درجۃ أحد من أهل الأرض کوئی شکل نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کم رتبہ کے درجہ کو بھی کوئی (غیر صحابی) فرد بشر پہنچ سکے۔

اب اگر کسی تاریخی روایت سے صحابہ کرامؓ کی تنقیص لازم آتی ہو تو وہ اس نص قطعی کے معارض ہونے کی بنا پر لازمی طور پر مردود ہوگی۔

(۱) لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین

انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد الله الحسنی. (الحديد: ۱۰)
ترجمہ: برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح مکہ (یا صلح حدیبیہ) سے پہلے اور جنگ کی ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے، ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور جنگ کی اور سب سے وعدہ کیا اللہ نے خوبی کا۔

سورہ انتہار میں الحسنی کے متعلق ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ جن لوگوں کے واسطے ہماری طرف سے حسنی کا وعدہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ فرق مراتب کے باوجود سارے صحابہ جنتی ہیں یہی بات سورہ توبہ میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

(۲) وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (آیت: ۱۰۰)

ترجمہ: اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو لوگ ان کے پیرو ہیں نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، رہا کریں انھی میں ہمیشہ یہی ہے تیری کامیابی۔
آیت میں صحابہ کرامؓ کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایک اولین سابقین کا اور دوسرا ان کے بعد والوں کا اور دونوں طبقوں کے متعلق یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور ان کے لیے جنت کا مقام دوام ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ لکھتے ہیں: ”جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے جب اس کے علم میں یہ بات آگئی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو دوامی طور پر جنتی فرمایا ہے تو اب ان کے حق میں جتنے بھی اعتراضات ہیں سب ساقط ہو گئے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ فلاں بندہ سے فلاں وقت میں نیکی اور فلاں وقت میں گناہ صادر ہوگا اس کے باوجود جب وہ اطلاع دے رہے ہیں کہ میں نے اسے جنتی بنا دیا تو اسی کے ضمن میں اس بات کا اشارہ ہو گیا کہ اس کی تمام لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں، لہذا اب کسی کا ان مغفور بندوں کے حق میں لعن و طعن اور برا بھلا کہنا حق تعالیٰ پر اعتراض کے مرادف ہوگا؛ اس لیے کہ ان پر اعتراض اور زبان طعن دراز کرنے والا گویا یہ کہہ رہا ہے کہ پھر اللہ نے اسے جنتی کیسے بنا دیا، الخ (فضائل صحابہ و اہل بیت، مجموعہ رسائل

اور علامہ ابن تیمیہ نے الصارم المسلمول میں قاضی ابویعلیٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رضا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے کہ وہ اپنی رضا کا اعلان صرف انھیں کے لیے فرماتا ہے جن کے متعلق وہ جانتا ہے کہ ان کی وفات موجباتِ رضا پر ہوگی۔ (معارف القرآن، ص ۱۰۶، ج ۸) لہذا اگر کوئی تاریخی روایت اس نص قطعی کے خلاف ہوگی تو وہ لائقِ اعتنا نہ ہوگی۔

هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (الأنفال: ۶۲-۶۳) ترجمہ: اللہ ہی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا اور الفت ڈال دی ان کے دلوں کے درمیان اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں؛ لیکن اللہ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان بیشک وہ زور آور، حکمت والا ہے۔

اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال کا جو بازار گرم تھا اس سے کون ناواقف ہے، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل عرب باہم ٹکراتے رہتے تھے اور بسا اوقات ان کی قبائلی جنگوں کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہتا، باہمی عداوت اور شقاق و عناد کے اس دور میں رحمۃ للعالمین توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالم گیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے کیا دنیا کی کوئی طاقت تھی جو ان درندہ صفت، جہالت پسند لوگوں میں معرفت الہی اور حبِ نبوی کی روح پھونک کر سب کو ایک دم باہمی اخوت و الفت کی زنجیر میں جکڑ دیتی، بلاشبہ روئے زمین کے سارے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا، یہ خدائی طاقت و حکمت کا کرشمہ ہے کہ کل تک جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور عزت و آبرو کے بھوکے تھے ان کے درمیان اس طرح سے برادرانہ اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا کہ حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک دوسرے سے محبت و الفت کرنے لگے صحابہ کرامؓ کی اس باہمی الفت و محبت کا ذکر سورہ آل عمران میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَإِذْ كُتِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا. (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر اللہ نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں۔

آیت پاک محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم (الفتح)

(محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و مہربان ہیں) بھی حضرات صحابہ کی باہمی رحمت و الفت کی خبر دے رہی ہے۔

امام قرطبی اور عامہ مفسرین لکھتے ہیں ”والذین معہ“ میں بلا تخصیص تمام صحابہ کرام داخل ہیں، اس آیت پاک میں تمام صحابہ کو آپس میں رحیم اور مہربان اور فضل خداوندی کا طالب بتایا گیا ہے۔

ان نصوص قطعیہ کے برخلاف اگر تاریخی روایتیں یہ شہادت دیں کہ صحابہ آپس میں ذاتی پر خاش اور بغض و عناد رکھتے تھے تو یہ شہادت زور ہوگی جو کسی عدالت میں بھی قابل قبول نہیں ہے، رہا معاملہ صحابہ کے باہمی مشاجرات اور آپسی لڑائیوں کا تو اس کا منشا بغض و عداوت اور شقاق و عناد قطعی نہیں تھا؛ بلکہ اس میں ہر فریق اپنے نقطہ نظر اور اجتہاد کے مطابق مسلمانوں کی مصالح اور راہ حق و رضائے الہی کے حصول میں کوشاں تھا، یہ الگ بات ہے کہ ایک فریق اپنے اجتہاد میں چوک گیا جس پر وہ قابل گرفت نہیں؛ بلکہ مستحق اجر ہے، چنانچہ علامہ سفارینی لکھتے ہیں:

التخاصم والنزاع والتقاتل والدفاع الذی جرى بينهم كان عن اجتهداد قد صدر من كل واحد من رؤس الفريقين ومقصد سائغ لكل فرقة من الطائفتين وان كان المصیب فی ذلك للصواب واحدهما..... غیر ان للمخطی فی الاجتهداد اجرا وثوابا. (مقام صحابہ، ص ۱۰۴)

جو نزاع و جدال اور دفاع و قتال صحابہ کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بنا پر تھا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا اگرچہ اس اجتہاد میں ایک ہی فریق صواب پر ہے... مگر اپنے اجتہاد میں خطا کر جانے والے کے لیے بھی اجر و ثواب ہے۔

(۴) لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ (المجادلة: ۲۲)

ترجمہ: تو نہیں پائے گا کسی قوم کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی رکھیں ان جیسے لوگوں سے جو اللہ اور رسول اللہ کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا اپنے گھرانے ہی کے کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض غیبی سے مدد کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر مفسر دہلویؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں، یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے (وغیرہ) ہوں وہ ہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے (جنت و رضوان الہی) ملتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی۔ الحاصل حضرات صحابہ اسی آیت پاک کے مصداق اولین ہیں؛ چنانچہ امام قرطبی، زنجیزی، حافظ ابن کثیر وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس آیت کے تحت حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عمر فاروق وغیرہ رضوان اللہ علیہم کے بے لوث مخلصانہ واقعات بیان کیے ہیں۔

اب اس قرآنی اطلاع کے برعکس تاریخ کی روایتیں یہ خبر دیں کہ صحابہ خدا اور رسول خدا کے مقابلے میں اپنے بیٹے عزیز و اقارب اور قبیلے و گھرانے کو اولیت دیتے تھے تو یہ روایتیں ساقط الاعتبار ہوں گی انھیں کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضَلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الحجرات: ۷-۸)

ترجمہ: لیکن اللہ نے محبوب بنا دیا تمہارے لیے ایمان کو اور اس کو مزین کر دیا تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر، گناہ اور نافرمانی کی ایسے ہی لوگ نیک راہ پر ہیں اللہ کے فضل و احسان سے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے، یعنی اللہ سب کی استعداد و صلاحیت کو جانتا ہے اور اپنی حکمت سے ہر ایک کو وہ مقام و مرتبہ مرحمت فرماتا ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہو۔

یہ آیت ناطق ہے کہ بلا استثناء تمام صحابہؓ کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر، گناہ اور نافرمانی سے نفرت و کراہیت من جانب اللہ راسخ کر دی گئی تھی اور ”ایکم“ میں حرف ”الی“ سے مستفاد ہوتا کہ یہ ایمان کی محبت اور کفر و فسق سے نفرت انتہا درجے کو پہنچی ہوئی تھی؛ کیونکہ ”الی“ عربی میں انتہا و غایت کے معنی بیان کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے، نیز آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے جو لغزشیں صادر ہوتی ہیں اس کی بنیاد ضعف ایمان اور فسق و عصیان کا (نعوذ باللہ) استحسان نہیں؛ بلکہ بہ تقاضائے بشریت ان کا صدور ہو گیا ہے، جس سے ان کے رشد پر کوئی حرف نہیں آسکتا؛ اس لیے ان کی محدودے چند لغزشوں کی بنا پر انھیں تنقید و تنقیص کا نشانہ بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہے؛ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ما ذکر عن الصحابة من السيئات كثير منه كذب و كثير منه كانوا مجتهدين فيه لكن لا يعرف كثير من الناس وجه اجتهادهم ما قدر انه كان فيه ذنب من الذنوب لهم فهو مغفور لهم، امام بتوبة واما بحسنات ماحية، و اما بمصائب مكفرة واما بغير ذلك، فانه قد قام الدليل الذي يجب القول بموجبه انهم من اهل الجنة، فامتنع ان يفعلوا ما يوجب النار لا محالة واذالم يمت احدهم على موجب النار لم يقدح ذلك في استحقاقهم للجنة (المنتقى ص ۲۱۹-۲۲۰)

بعض صحابہ کی طرف جو برائیاں منسوب کی گئی ہیں ان میں بیشتر خود ساختہ ہیں اور ان میں بہت سی ایسی ہیں جن کو انھوں نے اپنے اجتہاد (سے حکم شرعی سمجھ کر) کیا؛ مگر لوگوں کو ان کے اجتہاد کی وجہ معلوم نہ ہو سکی اور جن کو گناہ ہی مان لیا جائے تو ان کا وہ گناہ معاف ہو گیا، یہ عفو و مغفرت یا تو توبہ کی بنا پر ہے یا ان کی (کثرت) حسنات نے ان گناہوں کو مٹا دیا، یا دنیاوی مصائب ان کے لیے کفارہ بن گئیں، علاوہ ازیں دیگر اسباب مغفرت بھی ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ قرآن و سنت سے ان کا جنتی ہونا ثابت ہو چکا ہے؛ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل ان کے نامہ اعمال میں باقی رہے جو جہنم کی سزا کا سبب بنے، تو جب حضرات صحابہ میں سے کوئی ایسی حالت میں وفات نہیں پائے گا جو دخول جہنم کا ذریعہ ہے تو اب کوئی چیز ان کے استحقاق جنت میں مانع نہیں ہو سکتی۔

صحابہ کے ایمان و اخلاص، دیانت و عدالت پر اس قرآنی شہادت کے بعد کسی تاریخی مفروضہ کی بنیاد پر صحابہ کرام کے اسلام کو استسلام سے تعبیر کرنا ایمان بالقرآن سے میل کھاتا ہے؟ پرستارِ ان تاریخ و دلدادگان سید قطب و طہ حسین کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس سے رشتہ توڑ رہے ہیں اور کس سے ناطہ جوڑ رہے ہیں

بقول دشمنِ پیمانِ دوست بشکستی

ہمیں از کہ بریدی و با کہ پیوستی

قرآن مقدس کی مندرجہ بالا آیات بصراحت ناطق ہیں کہ

(۱) بغیر کسی استثناء کے تمام صحابہ جنتی ہیں۔

(۲) سارے صحابہ کو اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا و خوشنودی حاصل ہے۔

(۳) جملہ اصحاب رسول آپس میں برادرانہ الفت و اخوت رکھتے تھے۔

(۴) سبھی حضرات صحابہ اللہ و رسول کے معاملے میں نسبی و قبائلی عصبیت سے بالکل پاک تھے۔
(۵) ہر ایک صحابی کا دل ایمان و اخلاص کی محبت سے مزین اور کفر، فسق اور نافرمانیوں سے متنفر تھا۔

صحابہ کا مقام حدیث کی نظر میں

کتاب الہی کی ان واضح تصریحات کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی پیش نظر رکھیں تاکہ بات بالکل منقح ہو جائے اور کسی تاویل باطل سے آپ شکوک و شبہات میں گرفتار نہ ہوں۔
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے:

(۱) خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم، فلا ادری ذکر قرنین او ثلاثة الخ. (السنة الامالکا جمع الفوائد، ص ۲۰۱، ج ۲ طبع الہند)
ترجمہ: سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر انکا جو اس سے متصل ہیں، پھر ان کا جو اس سے متصل ہیں، راوی حدیث کہتے ہیں مجھے یاد نہیں رہا کہ ”ثم الذین یلونہم“ آں حضرت نے دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔

اس حدیث پاک سے متعین طور پر معلوم ہو گیا کہ عہد نبوی کے بعد سب سے بہتر زمانہ صحابہ کرام کا ہے ”اصابہ“ کے مقدمہ میں مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ و تواتر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم الخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک متواتر ہے جس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔

(۲) عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین، رواہ البزار بسند رجالہ موثقون۔
ترجمہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو انبیاء و مرسلین کے علاوہ تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔

یہ حدیث پاک اس بات پر نص ہے کہ تمام حضرات صحابہ اللہ تعالیٰ کے منتخب و برگزیدہ ہیں، جماعت انبیاء کے بعد گروہ جن و انس میں سے کوئی بھی ان کے مقام و مرتبہ کو نہیں پاسکتا، شرف صحابیت ایک ایسا شرف ہے جس کے مقابلے میں ساری فضیلتیں ہچ در ہچ ہیں؛ اسی لیے حضرت سعید بن زید (یکے از عشرہ مبشرہ) قسم کھا کر فرماتے ہیں:

واللہ لشہد رجل منهم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر فیہ وجہہ خیر من عمل احدکم ولو عمّر عمر نوح (جمع الفوائد، ص ۲۰۲، ج ۲)
ترجمہ: خدا کی قسم صحابہ میں سے کسی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی جہاد میں شرکت جس سے اس کا (صرف) چہرہ غبار آلود ہو جائے غیر صحابی میں سے ہر فرد کی عمر بھر کی عبادت و عمل صالح سے بہتر ہے اگرچہ اس کو عمر نوح مل جائے۔

صحابی رسول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

(۳) اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم غرضا من بعدی فمن احبہم فحبی احبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم ومن اذاہم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ (للترمذی جمع الفوائد، ص ۲۰۱، ج ۲)

ترجمہ: اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں میرے بعد ان کو (طعن و تشنیع) کا نشانہ نہ بناؤ؛ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑ لے۔

آیت کریمہ **فَیُبَیِّنُ اِذْنَ اللّٰهِ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہُ الخ** کی تفسیر میں امام قرطبی نے آں حضرت ﷺ کی درج ذیل حدیث ذکر کی ہے جس سے حدیث بالا کی تائید ہوتی ہے۔

(۴) من احب اللہ عز وجل فلیحبنی ومن احبنی فلیحب اصحابی ومن احب اصحابی فلیحب القرآن ومن احب القرآن فلیحب المساجد الخ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲۱ ص ۲۶۶)

ترجمہ: جو اللہ سے محبت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مجھ سے محبت رکھے اور جو مجھ سے محبت رکھے اسے چاہیے کہ میرے اصحاب سے محبت رکھے اور جو صحابہ سے محبت رکھے اسے چاہیے کہ قرآن سے محبت رکھے اور جو قرآن سے محبت رکھے اسے چاہیے کہ مساجد سے محبت رکھے۔

کوئی انتہا ہے حضرات صحابہؓ کی رفعت مقام کا کہ سید المرسلین، محبوب رب العالمین، خلاصہ کائنات، فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی محبت کو اپنی محبت بتا رہے ہیں اور ان سے بغض و عناد کو اپنے ساتھ بغض و عناد قرار دیتے ہیں، جس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ادنیٰ درجہ کی محبت بھی ہوگی وہ اصحاب رسول کی شان میں لب کشائی کی جرأت کر سکتا ہے؟ اور جب کہ آپؐ نے صاف فرمادیا ہو کہ دیکھو میرے بعد میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا اور انھیں اپنے اعتراضات کا ہدف نہ بنانا۔

ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے لا تسبوا اصحابی فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا تقبل الله منه صرفا ولا عدلا (شرح الشفاء للملا علی قاری، ص ۷۵۵، ج ۲)

ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں: اذا رائتم الذين يسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم (الترمذی جمع الفوائد، ص ۲۰۱، ج ۲)

ان حدیث پاک پر بطور خاص ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے جو مؤرخین کی گری پڑی روایتوں اور ان کے طبع زاد مفروضوں کو بنیاد بنا کر صحابہ کرامؓ کے اخلاق و اعمال کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں جسے وہ خود اپنے یا اپنے بڑے بوڑھوں کے بارے میں قطعاً گوارہ نہیں کر سکتے تو کیا (نعوذ باللہ) صحابہ کرام میں فروتر اور پست تھے؟ (العیاذ باللہ)

(۵) عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل اصحابی فی امتی کالملاح فی الطعام لا یصلح الطعام الا بالملاح (مشکوٰۃ شریف بحوالہ شرح السنة، ص ۵۵۴)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں میرے اصحاب کی وہی حیثیت ہے جو نمک کی کھانے میں ہے کہ بغیر نمک کا کھانا پسندیدہ نہیں ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمدہ سے عمدہ تر کھانا بے نمک کے پھیکا اور بے مزہ ہوتا ہے بعینہ یہی حال امت کا ہے کہ اس کی ساری صلاح و فلاح اور اس کا تمام تر شرف و مجد صحابہ کی مقدس جماعت کا مرہون احسان ہے اگر اس جماعت کو درمیان سے الگ کر دیا جائے تو امت کے سارے محاسن و فضائل بے حیثیت اور غیر معتبر ہو جائیں گے۔

الحاصل اس حدیث میں واضح اشارہ ہے کہ امت مسلمہ کے دین کی صحت و درستی کے لیے حضرات صحابہؓ کے اقوال و اعمال حجت و سند اور معیار کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان حدیث سے معلوم ہوا کہ

(۱) عہد نبوی کے بعد صحابہ کا دور سارے زمانہ سے بہتر ہے۔

(۲) حضرات صحابہؓ کے منتخب و برگزیدہ ہیں، جماعت انبیاء کے علاوہ جن و بشر کا کوئی بھی فرد ان کے مقام و مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۳) صحابہؓ کی محبت محبت رسول کی علامت اور ان سے بغض و عناد رسول اللہ ﷺ سے بغض و عناد کی نشانی ہے، صحابہؓ کو ایذا پہونچانا خود نبی پاکؐ کو اذیت پہنچانے کے مرادف ہے۔

(۴) حضرات صحابہؓ کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنانا جائز و حرام ہے۔

(۵) امت کا سارا شرف و مجد صحابہؓ کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے اور ان کا قول و عمل امت کے لیے حجت ہے۔

آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے نصوص سے ثابت شدہ صحابہؓ کے اسی امتیازی مقام و مرتبہ کو ایک دو گمرہ فرقوں کے علاوہ ساری امت ہمیشہ سے مانتی چلی آرہی ہے، ان کے حق میں طعن و تشنیع، سب و شتم اور اس کی عیب جوئی اور اہانت کو اکبر کبار میں شمار کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

(۱) واعلم ان سب الصحابة حرام من فواحش المحرمات سواء لابس الفتنة منهم او غيره. (شرح مسلم، ص ۳۱۰، ج ۲)

ترجمہ: اچھی طرح سمجھ لو کہ صحابہ کا نازیبا الفاظ سے ذکر کرنا حرام ہے اور بڑے حراموں میں سے خواہ وہ صحابی باہمی جنگ کے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہوں یا اس سے بری ہوں۔

حضرت امام مالکؒ کا قول مشہور شارح حدیث ملا علی قاریؒ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

(۲) من شتم احدا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر او عمرو او

عثمان او علیا او معاویہ او عمرو بن العاص فان قال شاتمهم کانوا علی ضلال او

کفر قتل وان شتم بغير هذا نکل نکالا شديدا (شرح الشفاء، ص ۷۵۵، ج ۲)

ترجمہ: جس نے اصحاب رسول میں سے کسی کو، مثلاً ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، عمرو بن عاصؓ

کو گالی دی اگر انھیں گالی دینے والا یہ کہتا ہے کہ وہ کفر و ضلالت پر تھے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر اس

کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے تو اسے سخت عبرتناک سزا دی جائے گی۔

عظیم المرتبت محدث امام ابو زرعہ الرازیؒ فرماتے ہیں:

(۳) اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

فاعلم انه زنديق وذلك ان الرسول حق، والقرآن حق وما جاء به حق وانما روى الينا

ذلك كله الصحابة وهؤلاء يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبتلوا الكتاب والسنة والجروح بهم اوليٰ وهم زنادقة. (الاصابة، ص ۱۱، ج ۱)
ترجمہ: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ زندیق ہے اور یہ اس لیے ہے کہ رسول حق ہیں، قرآن حق ہے، قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے حق ہے اور ان سب کو ہم تک پہنچانے والے صحابہؓ ہیں تو یہ عیب جو بیان صحابہؓ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں اور واسطہ کو مجروح کر دیں؛ تاکہ وہ کتاب و سنت کو باطل اور بے اصل ٹھہرا دیں، لہذا یہی بدگو مجروح ہونے کے زیادہ مستحق ہیں یہ لوگ تو زندیق ہیں۔

امام ذہبیؒ اپنی مشہور کتاب ”الکبار“ میں لکھتے ہیں:

(۴) من ذم اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بشيء وتتبع عثراتهم وذكر عيبا و اضافه اليهم كان منافقا الخ. (ص ۲۳۹)
ترجمہ: جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی کسی نوع کی مذمت کی اور ان کی عیب جوئی اور لغزشوں کی تلاش کے پیچھے لگا رہا یا کسی عیب کا ذکر کر کے اس کی نسبت صحابہؓ کی جانب کر دی تو وہ منافق ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ان کے تلمیذ المیمونی ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

(۵) سمعت احمد يقول مالهم ولمعاوية نسأل الله العافية وقال لي يا ابا الحسن اذا رأيت احدا يذكر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوء فاتهمه على الاسلام. (مقام صحابہ، ص ۷۷)

ترجمہ: میں نے امام احمد سے فرماتے ہوئے سنا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہؓ کا ذکر برائی سے کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

حضرات ائمہ و محدثین کے ان اقوال کا حاصل یہی ہے کہ حضرات صحابہؓ کی اہانت، برائی اور ان کے اوپر طعن و تشنیع عظیم تر گناہ کبیرہ ہے، کسی مخلص سچے مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ رسول خدا کے مخلص و جاں نثار ساتھیوں کو ہدف ملامت اور نشانہ مذمت بنائے ایسی تشنیع جسارت کوئی زندیق، منافق اور مشکوک الاسلام ہی کر سکتا ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

محقق ابن ہمامؒ اسلامی عقائد پر اپنی جامع کتاب مسایرہ میں لکھتے ہیں:

واعتماد اهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجوبا باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن منهم والثناء عليهم (ص ۱۳۲)

ترجمہ: اور اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر صحابی کے لیے عدالت ثابت کرتے ہوئے تمام صحابہؓ کا تزکیہ کیا جائے، ان پر طعن سے باز رہا جائے اور ان کی تعریف کی جائے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں اس عقیدہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے: عن اصول اهل السنة سلامة قلوبهم والستهم لاصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم (ص ۴۰۳)

ترجمہ: اہل سنت کے اصول عقائد میں سے ہے کہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں۔

عقائد کی معروف کتاب شرح مواقف میں سید شریف جرجانی رقم طراز ہیں۔

المقصد السابع انه يجب تعظيم الصحابة كلهم والكف عن القدح فيهم لان الله عظيم واثني عليهم في غير موضع في كتابهم (عقیدہ سے متعلق یہ تینوں حوالے مقام صحابہؓ از مفتی محمد شفیعؒ سے ماخوذ ہیں)

ترجمہ: ساتواں مقصد اس بیان میں ہے کہ تمام صحابہؓ کی تعظیم اور ان پر طعنہ زنی سے رکنا واجب ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے اور اس نے اپنی کتاب میں ان حضرات کی بہت سے مقامات میں تعریف بیان کی ہے۔

اجماع امت اور عدالت صحابہ کرامؓ

از: مولانا مہر محمد میا نوالی

ائمہ سلف و خلف اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اس عقیدہ پر اجماع چلا آ رہا ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ بغیر کسی استثناء کے عادل اور واجب التعظیم والاحترام ہیں، ان کی روایت بلا چون و چرا قابل قبول اور واجب التسلیم ہے، ان میں سے کسی پر بھی طعن کرنا جائز نہیں۔ ان کے آپس کے مشاجرات کی بحث سے رکنا چاہیے۔ ہاں! ان کے دامن کی صفائی بیان کرنے کے ذکر میں کوئی مضائقہ نہیں؛ جب کہ نیت صحیح ہو۔ ان کی اجتہادی خطاؤں کی صحیح تاویلیں ہیں۔

نیز یہ کہ اس پر بھی وہ ماجور ہوں گے؛ کیونکہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ جب مجتہد اجتہاد کرے؛ اگر اجتہاد صحیح نکلے تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر غلط ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ (بخاری و مسلم) صحابہ کرامؓ میں سے حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کے صراحۃً اور بقیہ صحابہؓ کے احادیث نبویہ کے ضمن میں کئی ارشادات منقول ہیں، اس باب کا افتتاح ہم سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۳ھ رضی اللہ عنہ کے اس سنہری فرمان سے کرتے ہیں:

عن ابن مسعود قال من كان مستنًا فليستن بمن قد مات فان الحي لا تؤمن عليه الفتنة أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا أفضل هذه الأمة وأبرها قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم اتبعوهم على أثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم. (رواه رزين بحوالہ مشکوٰۃ، ص ۳۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص سنت کا اتباع کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ فوت شدہ بزرگان دین کے نقش قدم پر چلے؛ اس لیے کہ زندہ پر فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے۔ ایسے بزرگان دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہی ہیں جو سب امت سے افضل، سب امت سے

زیادہ پاکیزہ دلوں والے سب امت سے بڑھ کر گہرے اور ٹھوس علم والے اور سب سے کم تکلف والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لیے اور دین کی اقامت اور سر بلندی کے لیے چن لیا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور ان کے اخلاق اور سیرت کو حتیٰ الوسع اپنانے کی کوشش کرو کہ وہ سیدھی راہ پر گامزن تھے۔

چار مذاہب کے ائمہ کی شہادت

اب حضرات ائمہ اربعہ متبوعین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ المتوفی (۱۵۰ھ) قرآن و سنت کے بعد بلا استثناء صحابہ کرام کے اقوال کو دین میں حجت سمجھتے تھے۔ کسی مسئلہ میں اگر کسی صحابی سے کچھ مروی ہوتا تو اپنا اجتہاد ورائے چھوڑ دیتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کا یہ قول مشہور ہے:

أخذ بكتاب الله فإن لم أجد فبسنة رسول الله فإن لم أجد فبقول الصحابة أخذ بقول من شئت منهم ولا أخرج عن قولهم إلى غيرهم. (تهذيب التهذيب، ج ۱، ص ۴۵۰ ومناقب ابی حنیفہ للذہبی)

ترجمہ: میں پہلے کتاب اللہ سے استدلال کرتا ہوں اگر اس میں مجھے دلیل نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو لیتا ہوں اور اگر اس میں بھی مجھے دلیل نہ ملے تو میں حسب مرضی صحابہ کرام کے اقوال سے استدلال کرتا ہوں اور ان کا قول چھوڑ کر دوسروں کے قول کی طرف نہیں جاتا۔

سنن الکبریٰ للبیہقی میں امام شافعی المتوفی (۲۰۴ھ) سے منقول ہے:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں جب تک قرآن و سنت میں دلیل موجود ہو تو اس کا علم رکھنے والے کو قرآن و سنت کی اتباع کے بغیر چارہ نہیں اور اگر قرآن و سنت میں دلیل نہ ہو تو ہم صحابہ کرام کے سب اقوال کی طرف یا ان میں سے کسی ایک کے قول کی طرف رجوع کریں گے۔

(کچھ آگے فرماتے ہیں) جب ائمہ (خلفاء راشدین) سے کچھ ثبوت نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ دین کے امین ہیں، ہم ان کے اقوال لیں گے اور صحابہ کرام کی اتباع دوسروں کی اتباع کی بہ نسبت ہمیں زیادہ مناسب ہے۔ (ازالۃ الخفاء، ج ۱، ص ۶۴، فصل دوم لوازم خلافت خاصہ)

حنفیہ کی اصول سرحسی جلد ۲ ص ۱۰۶ پر امام مالک المتوفی (۱۷۶ھ) کا بھی یہی مذہب بتایا ہے۔ امام مالک کو صحابہ کی تکریم کا خاص اہتمام تھا؛ چنانچہ قاضی عیاض اور ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں:

”امام مالک فرماتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی کو برا بھلا کہا خواہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم ہوں یا حضرت معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ ہوں اگر یوں کہا کہ وہ کافر اور گمراہ تھے تو یہ واجب القتل ہے اور اگر عام لوگوں جیسی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے۔“ (شرح شفاء الملعون قاری، ج ۲، ص ۵۵۶)

الصارم المسلمون علی شاتم الرسول، ص ۵۷۳ پر علامہ ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل المتوفی (۲۴۱ھ) سے نقل فرماتے ہیں:

خير الأمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم أبو بكر وعمر بعد أبي بكر وعثمان بعد عمر و علي بعد عثمان و وقف قوم وهم خلفاء راشدون مهديون ثم أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد هؤلاء الأربعة خير الناس لا يجوز لأحد أن يذكر شيئاً من مساوئهم ولا يطهعن على أحد منهم بعيب ولا نقص فمن فعل ذلك فقد وجب تأديبه. (قال في الرسالة التي رواها أبو العباس محمد بن يعقوب الاصبغري)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں، ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ ہیں، عمرؓ کے بعد عثمانؓ ہیں، عثمانؓ کے بعد علیؓ ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

(آخری قول میں) ایک جماعت نے توقف کیا ہے یہ ہدایت یافتہ خلفاء راشدینؓ تھے پھر چار حضرات کے بعد سب صحابہ کرامؓ سب سے افضل ہیں کسی کو جائز نہیں کہ ان کی برائی کرے، کسی میں کوئی عیب اور نقص کی وجہ سے اعتراض نہ کرے جس نے ایسا کیا اسے سزا دینی واجب ہے۔ یہ تصریحات عدالت صحابہ کرامؓ کو مضمّن اور مستلزم ہیں کما لا یخفی۔

محدثین کرامؓ کی شہادت

امام سفیان ثوری المتوفی (۱۶۷ھ) سے منقول ہے:

قال عبد الله بن هاشم الطوسي حدثنا وكيع قال سمعت سفیان يقول في قوله تعالى قل الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، قال هم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم (الاصابه لحافظ بن حجر، ج ۱، ص ۱۳)

ترجمہ: عبد اللہ بن ہاشم طوسی کہتے ہیں کہ ہم سے وکیع بن الجراح نے سفیان ثوری سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں، آپ کہیے سب تعریفیں اللہ ہی کیے لیے ہیں اور اللہ کے.... پر سلامتی ہو جن کو اس نے پسند کر لیا ہے۔

سہل بن عبد اللہ تستری المتوفی کہتے ہیں جو علم وزہد اور جلالت شان میں مشہور ہیں کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی تعظیم نہیں کی وہ صحیح طور پر حضور علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا۔ (رسالہ تائید مذهب اہل سنت، ص ۵۲ از مجدد الف ثانی)

علامہ مبارک بن محمد بن اثیر جزری المتوفی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

الصحابة رضي الله عنهم أجمعين عدول بتعديل الله عز وجل ورسوله صلى الله عليه وسلم لا يحتاجون إلى بحث عن عدالتهم وعلى هذا القول معظم المسلمين من الأئمة والعلماء من السلف والخلف. (جامع الاصول من احاديث الرسول، ج ۱، ص ۷۳)

ترجمہ: سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعدیل کر دی ہے ان کی عدالت کے متعلق بحث کرنے کی حاجت نہیں اسی اعتقاد پر مسلمانوں کے سربراہان و ائمہ کرام اور متقدمین متاخرین علماء کرام چلے آ رہے ہیں۔ حافظ محمد الدین ابوزکریا بن شرف النوری المتوفی (۶۷۱ھ) رقم طراز ہیں۔

ولهذا اتفق أهل الحق ومن يعتد به في الإجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضي الله عنهم أجمعين. (شرح مسلم، ج ۲، ص ۲۷۲)

ترجمہ: اس لیے اہل حق جماعت اور جن کا اجماع معتبر ہے صحابہ کرام کی مروی احادیث کی قبولیت ان کی شہادت کی صداقت اور کامل عدالت پر متفق ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو چکا۔ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ المعروف بابن عبد البر المتوفی (۴۶۳ھ) ”الاستيعاب في معرفة اصحاب“ کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

”سنن نبویہ کی حفاظت اور معین اسباب میں سے ان حضرات کی معرفت بھی ہے جنہوں نے سنن نبویہ (علیٰ جہا الصلوٰۃ والسلام) کو اپنے نبی سے نقل کر کے سب لوگوں تک پہنچایا اور اس کی کما حقہ حفاظت اور تبلیغ کی ہے۔ وہ لوگ آپ کے صحابہ کرام اور حواری ہیں کہ انہوں نے سنت کو محفوظ کیا اور اسلام و مسلمانوں کی خیر خواہی سمجھ کر اس فریضہ کو ادا کیا حتیٰ کہ ان کی نقل اور روایت سے دین مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی حجت مسلمانوں پر ثابت ہو گئی۔ یہی لوگ سب سے افضل اور سب امت سے بہتر تھے جو لوگوں کی تبلیغ کے

لیے بھیجی گئی۔ ان تمام کی عدالت ثابت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف بیان کی ہے ان لوگوں سے بڑھ کر کوئی عادل نہیں ہو سکتا جن کو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور مدد کے لیے چن لیا۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی تزکیہ کا مقام ہو سکتا ہے اور نہ ثبوت عدالت اس سے اکمل طریقے سے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں محمد رسول اللہ الخ“ آگے اسی کتاب کے، ص ۹ پر لکھتے ہیں۔

وإن كان الصحابة رضی اللہ عنہم قد كفيينا البحث عن أحوالهم الجماع أهل الحق من المسلمين وهم أهل السنة والجماعة على أنهم عدول. ترجمہ: اگرچہ سب صحابہؓ کے بارے میں ہم کافی بحث کر چکے ہیں؛ کیونکہ اہل حق مسلمانوں کا جو اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں اس پر اجماع ہے کہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی (۸۵۲ھ) الاصابہ، ج ۱، ص ۱۰ پر لکھتے ہیں:

وقال أبو محمد ابن حزم الصحابة كلهم من أهل الجنة قطعا. قال الله تعالى لا يستوى منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل الآية وقال تعالى إن الذين سبقت لهم منا الحسنى. أولئك عنها مبعدون فثبت أن الجميع لأهل الجنة لأنهم يخاطبون بالآية السابقة.

ترجمہ: علامہ ابو محمد حافظ بن حزمؒ کہتے ہیں کہ سب صحابہ کرامؓ اہل جنت ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”جس نے فتح مکہ سے پہلے انفاق و قتال کیا، وہ اس کے برابر نہیں جس نے بعد میں انفاق و قتال کیا، الآیہ۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جن لوگوں سے ہماری طرف سے بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے، یہ لوگ آگ سے دور رکھے جائیں گے، پس ثابت ہوا کہ تمام صحابہؓ اہل جنت میں سے ہیں؛ اس لیے کہ آیت سابقہ میں وہی (فتح مکہ سے قبل اور بعد والے مومن) مخاطب ہیں۔

اور یہ سوال کیا جائے کہ آیت مذکورہ میں انفاق اور قتال کی قید اور ایسے ہی احسان کی قید ہے کہ جو صحابی ان صفات سے موصوف نہ ہو یہ آیت اسے شامل نہ ہو؛ حالانکہ صحابہؓ کے... ہونے کے لیے یہ صریح آیتیں ہیں اسی لیے تو مازری نے شرح برہان میں لکھا ہے کہ ”الصحابة عدول“ سے ہر وہ صحابی مراد نہیں جسے ایک دن یا کبھی ایک ساعت آپؐ کی زیارت نصیب ہوئی یا کسی اور غرض سے آپؐ کی خدمت میں آیا اور چلا گیا ہو؛ بلکہ اس سے وہ صحابہؓ مراد ہیں جو کافی عرصہ آپؐ کی خدمت میں رہے آپؐ

کی توقیر اور نصرت کی اور آپؐ پر نازل شدہ نور کی پیروی کی تو علامہ بن حزمؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔
والجواب عن ذلك ان التقييدات المذكورة أخرجت تخرج الغالب وإلا فالمراد
بالإنفاق والقتال بالفعل والقوة.

ترجمہ: اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ قیدیں تغلیبی طور پر لگائی گئی ہیں کہ اکثر صحابہ کرامؓ انفاق اور قتال کرتے تھے (ورنہ انفاق و قتال سے مراد عام ہے۔ بالفعل کیا ہو یا بالقوة کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔

اور حافظ بن حجرؒ بھی اس قول کا تخطیہ یوں کرتے ہیں۔
”کہ مازری کے اس قول کی کسی نے موافقت نہیں کی؛ بلکہ محققین اور فضلاء کی ایک جماعت نے اس پر طعن کیا ہے، شیخ صلاح الدین علائی کہتے ہیں کہ مازری کا یہ قول نادر ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرامؓ جو صحابیت اور روایت میں مشہور ہیں ان کو عادل نہ کہا جائے، جیسے وائل بن حجر مالک بن الحویرث اور عثمان بن ابی العاص وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ جو آپؐ کی خدمت میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے تھے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر چلے گئے تھے اور اسی طرح اس قول سے وہ صحابہؓ بھی عادل نہ ہوں گے جن کی روایت حدیث صرف ایک ہے یا آپؐ کی خدمت میں ان کی مقدار صحبت معلوم نہیں جیسے عرب کے قبائل وغیرہ۔“

والقول بالتعميم هو الذي صرح به الجمهور وهو المعتبر (الاصابه، ج ۱، ص ۱۱)
ترجمہ: تمام صحابہ کرامؓ کو عادل کہنے کی ہی جمہور علماء امت نے تصریح کی ہے اور یہی معتبر مسلک ہے۔

خطیب بغدادی ”الکفایہ فی علوم الروایہ“ میں عدالت صحابہؓ پر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”عدالت صحابہؓ کے موضوع پر احادیث بہت کثرت سے مروی ہیں ان تمام کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ (منافی عدالت امور سے) طاہر ہوں اور قطعاً عادل اور برائیوں سے منزہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی ان کی عدالت پر شہادت کے بعد۔ جو ان کے باطن سے واقف ہے۔ کوئی صحابی ثبوت عدالت میں کسی مخلوق کی تعدیل کا محتاج نہیں اور وہ اسی وصف پر سمجھے جائیں گے تا آنکہ کسی سے ایسے جرم کا ثبوت ہو جائے جو نافرمانی کے

قصد ہی سے۔ بلا احتمال غیر ہو سکتا ہو اور تاویل کی کوئی گنجائش نہ رہے تو عدالت کی نفی تسلیم کی جائے گی؛ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے جرم کے ارتکاب سے بری اور ان کی شان کو اس سے برتر بنایا ہے۔ علاوہ ازیں بالفرض خدا اور رسولؐ کی جانب سے ان کی مذکورہ ثنا و تعدیل نہ بھی ہوتی تو بھی ان کی مندرجہ ذیل سیرت ان کے قطعی عادل اور گناہوں سے صاف ہونے پر قوی شہادت تھی۔ مثلاً، ہجرت، جہاد فی سبیل اللہ، نصرۃ رسولؐ اپنی جان و اموال کی قربانی، اپنے آبا و اجداد کو اور اولاد کو قتل کرنا، دین کی خیر خواہی اور ایمان میں قوت اور پختگی وغیرہ۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان کے بعد آنے والوں میں جن جن کا تزکیہ اور شہادت عدالت دی جائے گی ان سب سے وہ افضل ہیں۔ یہی مذہب تمام علماء امت اور قابل اعتماد فقہاء کا ہے۔“
اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ، ج ۱، ص ۲ پر علامہ جزریؒ لکھتے ہیں کہ

صحابہ کرامؓ سب امور میں عام رواۃ کی صفات (حفظ اتقان وغیرہ) میں شریک ہیں؛ مگر جرح تعدیل میں نہیں؛ کیونکہ وہ سب کے سب عادل ہی ہیں ان پر جرح کی کوئی سبیل نہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پاک صاف اور عادل قرار دیا ہے اور یہ مشہور چیز ہے جس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

علامہ قرطبی مالکی محمد بن احمد الانصاری المتوفی (۶۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

قلت فالصحابۃ کلہم عدول أولیاء اللہ تعالیٰ وأصفیاء وحیرتہ من خلقہ بعد أنبیاءہ ورسلہ هذا مذہب أهل السنة والذی علیہ الجماعة من أئمة هذه الأمة.
ترجمہ: میں کہتا ہوں سب صحابہ کرامؓ عادل اللہ تعالیٰ کے دوست اس کے برگزیدہ بندے اور انبیاء اور رسول کے بعد اس کی سب مخلوقات سے افضل ہیں یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور اس پر اس امت کے ائمہ کی ایک بڑی جماعت کا اعتقاد ہے۔ (تفسیر قرطبی، ج ۱۲، ۲۹۹)

علماء اصول حدیث کی شہادت

امام نووی اور جلال الدین سیوطی المتوفی (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں۔

الصحابۃ کلہم عدول من لابس الفتن وغیرہم فإجماع من یعتقد بہ وقالت المعتزلة عدول إلا من قاتل علیہا وقیل اذا انفرد وقیل إلا المقاتل والمقاتل لہ. وهذا کله لیس بصواب إحسانا للظن بہم وحملا لہم فی ذلك علی الاجتهاد الماجور فیہ

کلہم منہم۔ (تقریب مع شرح تدریب الراوی، ص ۴۰۰)

ترجمہ: سب صحابہ کرام عادل ہیں فتنہ سے دوچار ہونے والے بھی اور دوسرے بھی اس پر معتمد ترین علماء کا اجماع ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے لڑنے والوں کے سوا سب عدول ہیں ایک قول یہ ہے کہ جب صحابی تنہا روایت کرے (تو عادل شمار نہ ہوگا) ایک قول یہ بھی ہے کہ آپس میں لڑائی کرنے والے عادل نہیں۔ یہ سب اقوال درست نہیں؛ تاکہ صحابیؑ سے حسن ظنی باقی رہے اور ان مشاجرات کو اس خط اجتہادی پر محمول کیا جائے جس میں ہر ایک کو اجر و ثواب ملے گا۔

سید قاسم الاندجانی المصباح، ص ۲۱۱ھ پر لکھتے ہیں۔

والصحابۃ کلہم عدول رضی اللہ عنہم سواء فی ذلک من لابس الفتن ومن لم یلا بسہا وذلك مما لا یشتبہ أحد من المسلمین الذین انتہت علیہم زعماء وعنہم تصدّر الاراء والحجج۔

ترجمہ: سب صحابہ کرام عادل ہیں خواہ فتنہ میں شریک ہوئے ہوں یا نہ اور یہ وہ عقیدہ ہے جس میں کسی ایسے مسلمان کو اشتباہ نہیں جن پر مسلمانوں کی قیادت ختم ہے اور انہی سے شرعی دلائل اور آراء منقول ہوتی ہیں۔

علامہ ابن صلاح ابو عمر و عثمان بن عبد الرحمن المتوفی (۶۴۳ھ) اپنے رسالہ ”علوم الحدیث“ المعروف بمقدمہ ابن صلاح، ص ۲۶۲ میں لکھتے ہیں۔

الثانیۃ للصحابة بأسرهم خصیصۃ وہی أنه لا یُسئل عن عدالة أحد منهم بل ذلك أمر مفروغ عنه لكونهم علی الإطلاق معدلین بنصوص الكتاب والسنة وإجماع من یعتقد به فی الاجماع من الامۃ۔

ترجمہ: (دوسرا فائدہ) سب صحابہ کرام کی ایک خصوصیت ہے وہ یہ کہ کسی کی عدالت کے متعلق (باز پرس کا) سوال پیدا نہیں ہوتا؛ بلکہ یہ مسئلہ طے شدہ ہے کیونکہ وہ مطلق کتاب و سنت کی نصوص اور تصریحات اور امت کے قابل اعتماد علماء کے اجماع سے عادل ہیں۔

پھر چند احادیث اور آیات قرآنیہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

”تمام صحابہ کرام کی عدالت پر سب امت متفق ہے اور جو فتنہ میں مبتلا ہوئے اجماع میں قابل اعتماد علماء کے اجماع سے وہ بھی عادل ہیں ان پر حسن ظنی رکھتے ہوئے اور جو کچھ ان کے لیے فضائل منقول ہیں ان پر نظر رکھتے ہوئے یہ عقیدہ ضروری ہے گویا اللہ

تعالیٰ نے ان کی عدالت پر اجماع قائم کر دیا؛ کیونکہ وہ شریعت کے نقل کرنے والے ہیں۔ (علوم الحدیث، ص ۲۶۵)

علی بن محمد علامہ سخاوی المتوفی (۶۶۳ھ) فتح المغیث جلد ۴، ص ۳۵ پر رقم طراز ہیں۔

إن للصحابة شرفا عظیما یمنع ما حبها میزة خاصة وهی أن جمیع الصحابة عند من یعتقد به من أهل السنة سواء من لابس الفتن منهم ولم یلبس عدول. (کما فی باعث المحیث، ص ۲۰۵)

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کے لیے ایک بڑا شرف ہے۔ جو صحابیؓ کو خاص امتیاز بخشتا ہے وہ یہ ہے کہ جمیع صحابہ کرامؓ قابل اعتماد علماء اہل سنت کے نزدیک عادل ہیں خواہ فتنہ سے دوچار ہوئے ہوں یا نہ۔ علامہ محمد بن اسماعیل حسنیؒ (امیر بیانی) المتوفی ۱۱۸۲ھ لکھتے ہیں۔

ومن مهمات هذ الباب ای باب معرفة الصحابة القول بعدالة الصحابة کلهم فی الظاهر اعلم انه استدلل الحافظ بن حجر فی اول کتاب الإصابة علی عدالة جملة الصحابة اتفق أهل السنة علی أن الجمیع عدول ولم یعالو فی ذلك الاشدوذ من المبتدعة. (توضیح الافکار، ج ۲، ص ۲۳۴)

ترجمہ: معرفتہ الصحابہ کے باب کے اہم مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ ظاہراً تمام صحابہؓ کی عدالت کا اعتقاد رکھا جائے۔ جاننا چاہیے کہ حافظ بن حجر نے ”إصابة“ کے شروع میں تمام صحابہ کرامؓ کی عدالت پر (آیات قرآنیہ سے) استدلال کیا ہے، تمام اہل سنت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ عادل ہیں اور اس میں اہل سنت سے اختلاف صرف اہل بدعت کے چند افراد نے کیا ہے۔ مولانا عبدالعزیز فرہاروی المتوفی (۱۳۰۰ھ) کوثر النبی، ص ۷۹ میں لکھتے ہیں۔

اجمع اهل السنة علی ان الصحابة کلهم عدول.
تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ سب صحابہ کرامؓ عادل ہیں۔

علماء اصول فقہ کی شہادت

شیخ محمد خضریٰؒ کی کتاب اصول فقہ، ص ۲۱۸ پر ہے۔

الصحابة کلهم عدول.

سب صحابہ کرامؓ عدول ہیں۔

مسلم الثبوت، ص ۱۹۴ میں علامہ بہاریؒ لکھتے ہیں۔

الأكثر الأصل في الصحابة العدالة.

اکثر امت کا مذہب ہے کہ صحابہؓ میں عدالت اصل ہے۔

علامہ ابن حاجبؒ کی تالیف شرح ”مختصر المنتہی“ ج ۲، ص ۶۷ پر ہے۔

الأكثر على عدالة الصحابة أقول أكثر الناس على أن الصحابة عدول.

امت کی اکثریت عدالت صحابہؓ کی قائل ہے میں کہتا ہوں کہ اکثر لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ سب

صحابہؓ عادل ہیں۔

یہاں الاكثر اور اکثر الناس سے مراد جمیع امت کی اکثریت ہے اہل سنت کی اکثریت مراد نہیں

کیونکہ اہل سنت تو سب کے سب عدالت جمیع صحابہؓ کے قائل ہیں۔

مسلم الثبوت کی شرح فوائح الرحمت، ج ۲، ص ۴۰۱ پر ہے۔

إن عدالة الصحابة مقطوعة لاسيما أصحاب بدر وبيعة الرضوان كيف لا وقد

اثنى الله تعالى عليهم في مواضع عديدة من كتابه وبين رسول الله صلى الله عليه

وسلم فضائلهم غير مرة.

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کی عدالت قطعی ہے خصوصاً اصحاب بدر اور بیعت رضوان والوں کی قطعی کیوں

نہ ہو؛ جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر ان کی تعریف اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کئی مرتبہ ان کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر بحث عدالت صحابہؓ فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ ان تمام صحابہ کرامؓ کی عدالت قطعی ہے جو جنگ بدر اور بیعت رضوان

میں شریک رہے۔ کسی مومن کے لائق نہیں کہ ان کی عدالت میں شک کرے؛ بلکہ جو

لوگ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے وہ بھی قطعی عادل اور مہاجرینؓ و انصارؓ میں داخل ہیں۔

البتہ فتح مکہ کے دن اسلام لانے والوں میں اشتباہ ہے؛ کیونکہ کچھ ان میں مؤلفۃ

القلوب (جن کو مال دے کر اسلام کی طرف مائل کیا گیا) ہیں اور انہی کے بارے میں

اختلاف ہے ہمارے ذمے واجب ہے کہ انکا ذکر بھلائی ہی سے کریں، خوب سمجھ لو!“

لیکن ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے والوں کا معاملہ متوقف اور

مشتبہ ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ حدید کی آیت کریمہ ”لا يستوى منكم من اتفق الخ“ قطعیت

سے ان کے جنتی ہونے پر دلالت کرتی ہے اور مؤلفۃ القلوب بھی کامل الایمان تھے۔

اولاً: اس لیے کہا اگر ان کو مذہب یا مشکوک الایمان سمجھا جائے تو وہ زکوٰۃ کا مصرف کیسے ہو سکتے ہیں؛ جب کہ مصارف زکوٰۃ کے لیے مسلم ہونا شرط ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ تالیفِ قلوب کے اس طرز نے ان کو مزید پختہ اور اسلام کا وفادار بنا ہی دیا ورنہ تالیفِ قلوب کی مشروعیت اور اس پر عمل درآمد کا کوئی فائدہ نہیں (فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة)

علماء عقائد و کلام کی شہادت

اب علماء متکلمین و عقائد کے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

محقق ابن ہمام کی تحریر الاصول اور اس کی شرح تقریر الاصول، ج ۲، ص ۲۶۰ پر ہے۔

علی أن ابن عبد البرّ حکى إجماع أهل الحق من المسلمين وهم أهل السنة والجماعة على أن الصحابة كلهم عدول.

ترجمہ: علاوہ ان دلائل کے علامہ ابن عبد البرّ نے اہل حق مسلمانوں کا۔ جو اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں۔ اس عقیدہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ سب صحابہ کرام عادل ہیں۔
پراگے لکھتے ہیں۔

وقال السبکی: والقول الفصل إنا نقطع بعدالتهم من غير الثقات إلى هذيان الهاذين وزیغ المبطلین وقد سلف اكتفاءنا فی العدالة بتزكية الواحد منا فكيف بمن زكاهم علام الغیوب الذی لا یعزب عن علمه مثقال ذرة فی الأرض ولا فی السماء فی غیر آیاتہ۔ اھ۔

ترجمہ: علامہ سبکی المتوفی (۷۷۱ھ) کہتے ہیں کہ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام کی عدالت کے قطعیت کے ساتھ قائل ہیں اور بکواسیوں کی بکواس اور باطل پرستوں کی گمراہی کی طرف ذرہ تو جہ نہیں کرتے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے جیسے ایک آدمی کے تزکیہ کرنے سے راوی عادل سمجھا جاتا ہے پس وہ لوگ کیسے عادل نہ ہوں جن کا تزکیہ اس علام الغیوب نے کئی آیات میں کیا ہے جس کے علم سے ذرہ برابر کوئی چیز زمین یا آسمان میں مخفی نہیں۔

ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

ولذلك ذهب جمهور العلماء إلى أن الصحابة كلهم عدول قبل فتنة عثمان وعلى وكذا بعدها ولقوله عليه السلام أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم.

ترجمہ: اسی لیے جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ سب صحابہ کرامؓ عادل ہیں حضرت علی و عثمان (رضی اللہ عنہما) کے فتنہ سے پہلے والے بھی اور اسی طرح بعد والے بھی اور نیز اس لیے بھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے میرے ساتھی ستاروں کی مثل ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

علامہ ابن کمال الدین المتوفی ۸۰۶ھ اور کمال الدین بن شریف المتوفی ۸۰۴ھ ”المسامرہ شرح مسایرہ“ ص ۳۱۳ میں لکھتے ہیں۔

واعتماد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة رضي الله عنهم وجوبا باثبات العدالة منهم والكف عن الطعن عليهم اثنى الله سبحانه وتعالى اليهم۔
ترجمہ: تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرامؓ یقینی طور پر تزکیہ شدہ اور عادل ہیں ان کی بدگوئی سے رکنا واجب ہے۔ ان کی تعریف کرنی ضروری، جیسے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔

علامہ بن حجرؒ المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں۔

”معلوم ہونا چاہیے کہ جس مسئلہ پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ ہر مسلم پر واجب ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کا تزکیہ (اور احترام) یوں کرے کہ ان کے لیے عدالت کا اعتقاد رکھے۔ ان کی بدگوئی سے رکے۔ ان کی مدح و ثنا کرتا رہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بہت سی آیات میں ان کی تعریف کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے ”(اے صحابہ) تم سب امت سے بہتر ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے بنائی گئی ہے۔“ پس اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں پر ان کی فضیلت ثابت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان کی فضیلت پر اس شہادت کے برابر کوئی شہادت نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اور ان سے صادر ہونے والے جمیع اعمالِ حسنہ کو خوب جانتے ہیں؛ بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں سب امتوں سے افضل ہونے کی گواہی دی تو ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اس پر اعتقاد رکھے اور اس پر ایمان لائے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس خبر دینے میں تکذیب کرے گا اور بلاشبہ جو شخص بھی کسی ایسی چیز کی حقیقت میں۔ جس کی خبر اللہ اور اس کے رسولؐ نے دی ہے۔ شک کرے تو وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ٹھہرے گا۔“ (الصواعق المحرقة لاهل الزندقۃ)

قارئین کرام! خوف ہے کہ ایک ہی قسم کے اقوال آپ پڑھتے پڑھتے کہیں اکتانہ جائیں بقول شاعر۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم

کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است
اس لیے ہر صنف کے علماء کے اقوال میں سے صرف دو چار کے لکھنے پر اکتفا کیا ہے اور عقل مند آدمی کے لیے یہی کافی ہیں اور ہٹ دھرم اور معاند کے لیے دفتر کے دفتر بھی بے کار ہیں ورنہ صحابہ کرامؓ کی عدالت اور ان کی عزت و تکریم کے ضروری ہونے پر اسی اکثریت سے علماء امت کی تصریحات موجود ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے ایک ضخیم جلد تیار تو ہو جائے؛ مگر وہ ختم نہ ہوں۔ اس مختصر سے مضمون میں اتنی گنجائش ہی کہاں؟ کہ صحابہ کرامؓ کے فضائل و محامد پر مشتمل مواد کا عشر عشر بھی سمیٹ سکے۔

دامانِ نگاہ نگ گل حسن تو بسیار

گل چین بہار تو ز دامن گلہ دارد

الغرض ہر مکتب فکر کے علماء امت نے صحابہ کرامؓ کے دربار میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مفسرین و محدثین نے اس لیے کہ ذخیرہ حدیث و تفسیر کے راویان اول اور انھیں حدیث و تفسیر سے ربط آشنائی دینے والے صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔ فقہاء اور علماء اصول نے اس لیے کہا انھوں نے صحابہ کرامؓ کی مرویات اور اقوال طیبہ سے خوشہ چینی کر کے اجتہاد و استنباط کا ملکہ پایا اور ان کے متعلق قوانین مدون کیے۔

متکلمین اور علماء عقائد نے اس لیے بحث کی تاکہ قرآن و سنت کے ان پاسبانوں کو دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھا جائے اور اہل حق کا اہل باطل سے امتیاز بھی ہو جائے۔ علماء رجال اور مورخین نے اس لیے مدح سرائی کی کہ صحابہ کرامؓ کی سوانح نگاری اور ان کے پاکیزہ حالات نے ان کے فن اور خدمات کو جلا بخشی اور دنیا میں ان کا نام روشن کرایا بقول حضرت حسانؓ۔

ما إن مدحتُ محمدًا بمقالتي لكن مدحتُ مقالتي بمحمد

میں نے اپنی نظم میں حضورؐ کی تعریف نہیں کی ہاں آپؐ کے ذکر خیر سے اپنی نظم کی تعریف کر دی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ ورسولہ عنہم اجمعین۔

تمام علماء اصول حدیث میں سے صرف صاحب تنقیح الاذہار۔ جوینی زیدی مسلک کے

ہیں اور اس کے شارح ابراہیم وزیر یعنی امیر یمانی نے ایک دو صحابہ کو عدالت سے مستثنیٰ کیا ہے؛ چنانچہ ”الصحابة كلهم عدول“ سے استثناء کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ إلا من قام الدليل على أنه فاسق تصريح (توضیح الافکار، ج ۲، ص ۴۳۶)

(سب صحابہ عادل ہیں) مگر جس پر کوئی دلیل قائم ہو جائے کہ وہ صریح بے حکم تھا۔

پھر حضرت ولید بن عقبہؓ اور یسر بن ابی ارطاثؓ کا ذکر کیا ہے اور امیر یمانی ”روض الباسم فی الذب عن سنتہ ابی القاسم، ص ۱۲۰“ پر بھی عدالت صحابہؓ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”محدثین نے جو یہ کہا ہے کہ سب صحابہ عادل ہیں تو وہ ظاہری سیرت کے اعتبار سے ہے جیسے ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ ظاہر کی قید اس لیے ہے، تاکہ جس نے بغیر تاویل کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ نکل جائے، جیسے ولید بن عقبہؓ اور محدثین نے کہا ہے کہ سب صحابہ علی الاطلاق عادل ہیں؛ اس لیے کہ تقریباً سبھی ایسے تھے اور بہت معمولی نادراس سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔ پس ایسا فاسق جس نے اس زمانہ میں اپنے عمل کی کوئی تاویل ظاہر نہیں کی وہ ایسا ہی ہے، جیسے سفید رنگ کے پیل میں ایک آدھا بال کالا بھی ہو۔“

مگر ہم کہتے ہیں کہ ان کا یہ قول مردود ہے؛ کیونکہ خلاف جمہور خلاف اجماع اہل حق ہے کسی نے بھی استثناء کو جائز قرار نہیں دیا اور حضرت ولیدؓ یا حضرت بسر بن ابی ارطاثؓ کو جن تاریخی روایات کی بنا پر غیر عادل کہا جاتا ہے وہ روایات مخدوش ہیں؛ بلکہ اکثر مواد دشمنان اسلام و صحابہؓ روافض کی من گھڑت ہے نیز وہ نصوص قطعیہ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ۔ جو جمیع صحابہ کرامؓ کی عدالت پر روشن دلیلیں ہیں۔ کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔ اگر کوئی روایت قابل اعتماد بھی ہو تب بھی وہ مؤول اور مصروف عن الظاہر ہوگی اور اس کا کوئی جائز مقصد اراق اور محمل ہوگا؛ کیونکہ اس کے ظاہری وظنی مفہوم کی بدولت قرآن و حدیث اور اجماع کے قطعی الثبوت و قطعی الدلالت مفہوم کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں ہمارے معاصر محققین بھی یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ولیدؓ بن عقبہؓ پر شراب نوشی کا الزام کوفہ کے شہریوں نے انتقامی طور پر لگایا تھا اور حضرت عثمانؓ کے سامنے انھوں نے گواہی دی تب ان پر حد جاری ہوئی بہر حال اصل الزام غلط ہے۔ (دیکھیے عادلانہ دفاع حصہ اول از مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری)۔

ایسے ہی بسر بن ابی ارطاثؓ کے متعلق ظلم و ستم، بچوں کو قتل کرنے مسلمانوں کو اسیر بنانے کی روایات وضعی داستان سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں جن کے موجد شیعہ ہیں۔

ایسی غیر معتبر روایات پر اعتماد کر کے ہم کیسے ایک صحابیؓ سے بدظن ہوں یا ان سے عدالت ساقط کر دیں؛ جب کہ سب امت کا فیصلہ سب صحابہ کرامؓ کی عدالت کا ہے۔
مورخین کی ایسی ہی رطب و یابس روایات کے متعلق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ المتوفی (۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں

لأن المؤرخين ينقلون ما خَبَتْ وطابَ ولا يُمَيِّزُونَ بين الصحيح والموضوع والضعيف وأكثرهم حاطِبٌ ليلٍ ولا يَدْرِي ما يَجْمَعُ فالاعتماد على ذلك في مثل هذا المقام الخطر والطريق الوعر والمهمة القفر التي تَضِلُّ فيه القَطَا وتَقْصُرُ دونه الخطَا مما لا يليق بشأن عاقلٍ فضلا عن فاضل (مختصر التحفه الاثنى عشرية، ص ۲۸۲)

ترجمہ: (حضرت معاویہؓ پر سب علیؓ کے الزام کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے) کیونکہ مورخین پاک ناپاک سب نقل کرتے ہیں۔ صحیح، من گھڑت اور کمزور روایات میں فرق نہیں کرتے ان کی اکثریت رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہے جو نہیں جانتا کہ (خشک وتر) کیا جمع کر رہا ہے۔ ایسے پر خطر مقام، سنگین راستے اور بیاباں جنگل میں جس میں پرندے بھی گم ہو جاتے ہیں اور قدم وہاں پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ایسی روایات پر اعتماد عقل مند کی شان نہیں چہ جائے کہ اہل علم و فاضل ایسا کرے۔ (واللہ الہادی)

ایمان کی علامت

از: مجاہد اسلام حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان اور علی اور طلحہ اور زبیر اور عبدالرحمن اور سعد اور سعید اور ابو عبیدہ اور ابو ہریرہ اور انس اور بلال اور معاویہ اور سوا ان کے سب مہاجر مکہ اور انصار مدینہ کے اور جہاد کرنے والے حضرت کے ساتھ مل کر جو اُحد اور بدر اور حدیبیہ اور خیبر وغیرہ کی لڑائیوں میں حضرت کے شریک تھے بالعموم اور جس مسلمان نے حضرت سے ملاقات کی اور اسی ملاقات کے عقیدے پر وفات پائی وہ سب ہی اصحاب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہ ان کی ثنا اور صفت اور خوبیاں قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں۔

ان سے محبت رکھنا اور ان کی راہ پر چلنا ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔ پھر جو کوئی ان کو برا جانے یا ان کو نہ مانے تو اس نے گویا قرآن وحدیث کا انکار کیا۔ اس کا ٹھکانہ دوزخ اور بی بی خدیجہ اور حفصہ اور عائشہ اور بی بی زینب اور بی بی ام سلمہ اور بی بی ام حبیبہ اور بی بی جویریہ اور بی بی میمونہ اور بی بی ریحانہ زید کی بیٹی اور بی بی ریحانہ شمعون کی بیٹی اور بی بی ماریہ قبطیہ وغیرہ حضرت کی بیبیاں اور فاطمہ زہرا اور رقیہ اور ام کلثوم حضرت کی بیٹیاں اور علی مرتضیٰ اور حضرت عثمان باحیا حضرت کے داماد اور ام کلثوم وغیرہ حضرت کی نواسیاں اور جس کو بیٹا کر کے پالا تھا حضرت نے اور اسامہ اور ان کا بیٹا وغیرہ اور ان کی اولاد یہ سب رضی اللہ عن کلہم اجمعین حضرت کے اہل بیت اور عترت میں داخل ہیں۔ ان کی محبت رکھنا اور ان کے راہ اور رویے کو اختیار نہ کرنا اسلام اور ایمان کے نقصان میں ہے۔ اس واسطے کہ ان کی تعریف اور مدح خصوصاً اور عموماً قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔

جو شخص معاذ اللہ ان کو برا جانے۔ اس نے گویا قرآن وحدیث کا انکار کیا۔ پھر اس کا سوائے دوزخ کے کہاں ٹھکانہ ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا مالک خالق ہے اس کی محبت رکھنا اور اس

کے حکم پر چلنا فرض ہے اور اس کا حکم ہے کہ میرے محبوب رسول مقبول کی محبت رکھو اور اس کے کہنے پر چلو تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت فرض عین ہوئی۔

سقوط نظر اور دلیلوں سے جس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہوگی تو وہی شخص اُن سے بھی محبت کرے گا جن سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت رکھی تھی اور یہ بے شک و شبہ یقینی بات ہے کہ جو مسلمان حضرت کے ساتھ رہتے تھے اور صلاح و مشوروں میں شریک ہوتے تھے، دینِ مسلمانی کا انھیں کی کوششوں سے جاری ہوا حضرت کے وقت میں اور بعد حضرت کے گویا وہ لوگ پیغمبر کی پیغمبری کے کام میں مددگار تھے۔

اور جو شخص حضرت کے گھر کے تھے، بیٹیاں اور اولاد اور نواسے وغیرہ جن کا ذکر اوپر مذکور ہوا ان سب سے حضرت کو محبت تھی؛ بلکہ سارے مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں سے؛ بلکہ بالکل ملک عرب سے محبت تھی تو جس کو حضرت سے محبت ہوگی وہ ان سب کی بھی محبت رکھے گا پھر ان اصحاب اور اہل بیت کی تعظیم کرے گا اور راہ اور رویہ ان کا اختیار کرے گا پھر جس قدر اس کو حضرت سے زیادہ محبت ہوگی اسی قدر ان سب سے بھی اس کو محبت زیادہ ہوگی۔

اور جاننا چاہیے کہ حضرت کے اصحاب یا اہل بیت اگر بُرے ٹھہریں تو مسلمان کا دین بھی جھوٹا ٹھہرے اس واسطے کہ قرآن اور حدیثِ مسلمانی کی بنیاد، انھیں کے واسطے سے پچھلے لوگوں کو پہنچا۔ پھر اگر وہ بُرے تھے تو ان کی بتائی ہوئی قرآن و حدیث کا کیا اعتبار اور جب قرآن و حدیث بے اعتبار ہو گیا تو دینِ مسلمانی سب جھوٹ ٹھہرا۔ تو جو شخص ان کو بُرا جانے وہ گویا اپنے آپ کو مسلمان نہیں جانتا اور اپنے ایمان ہی سے انکار کرتا ہے؛ بلکہ دینِ اسلام کا انکار کرتا ہے۔

اصحاب اور اہل بیت کی خوبیاں اور بزرگیاں قرآن و حدیث میں بہت مذکور ہیں۔ اس مقام پر کئی آیتیں اور حدیثیں مذکور ہوئی ہیں۔ سچے مسلمان کا عقیدہ درست کرنے کے واسطے اس قدر بھی کافی ہے۔ سنا چاہیے۔

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَرَحِمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاكُنْهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ.
ترجمہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے یعنی سورہ اعراف (۱۵۷) میں کہ میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو سو وہ

لکھ دوں گا ان کو جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتیں یقین کرتے ہیں جو تابع ہوتے ہیں اس رسول کے جو نبی ہے امی جس کو پاتے ہیں اپنے پاس لکھا ہوا تورات اور انجیل میں بتاتا ہے ان کو نیک کام اور منع کرتا ہے بُرے کاموں سے۔

ف: یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر چند میری رحمت سب چیز کو شامل ہے؛ مگر خاص کر کے ان لوگوں کے واسطے وہ رحمت لکھ دوں گا جو لوگ امی نبی پر یقین لائے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی رفاقت کی کہ ہجرت میں ان کا ساتھ دیا کہ مکہ سے گھر چھوڑ کر حضرت کے ساتھ مدینے کو گئے اور وہ لوگ جنہوں نے مدینہ میں پیغمبر کو جگہ دی اور مدد کی اور قرآن نورانی جو پیغمبر کے ساتھ نازل ہوا، اس کے تابع ہوئے اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا کے حکم پر یقین کرتے ہیں اور اپنے نبی کا حال توریت اور انجیل میں دیکھ کر نبی پر ایمان لائے کہ وہ نبی ان کو نیک کام بتاتا ہے اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور پاک چیزیں حلال بتاتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کہتا ہے اور گناہوں کے بوجھان پر لدے ہوئے تھے اور باپ دادا کے رسوم کی پھانسیاں جو ان کے گلے میں تھیں، سواتارتا ہے۔ سو وہ لوگ مراد کو پہنچے کہ جنتی ہوئے۔ پھر اب جو کوئی ان کو بُرا کہے اور ان پر طعن کرے تو گویا اللہ کی رحمت پر طعن کرتا ہے اور اس آیت کا منکر ہے۔



مشاجرات صحابہؓ کے معاملہ میں امت کا عقیدہ اور عمل

از: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ

لفظ ”مشاجرہ“ شجر سے مشتق ہے جس کے اصل معنی: تنے دار درخت کے ہیں جس کی شاخیں اطراف میں پھیلتی ہیں باہمی اختلافات و نزاع کو اسی مناسبت سے مشاجرہ کہا جاتا ہے کہ درخت کی شاخیں بھی ایک دوسری سے ٹکراتی اور ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان جو اختلافات پیش آئے اور کھلی جنگوں تک کی نوبت پہنچ گئی، علماء امت نے ان کی باہمی حروب اور اختلافات کو جنگ و جدال سے تعبیر نہیں کیا؛ بلکہ از روئے ادب ”مشاجرہ“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے؛ کیونکہ درخت کی شاخوں کا ایک دوسرے میں گھسنا اور ٹکرانا مجموعی حیثیت سے کوئی عیب نہیں؛ بلکہ درخت کی زینت اور کمال ہے۔

ایک سوال اور جواب

اسلام میں صحابہ کرامؓ کا درجہ اور مقام جو اوپر قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع امت اور اکابر علماء کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے اس کے بعد ایک قدرتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام سب کے سب واجب التعظیم اور عدل و ثقہ و متقی و پرہیزگار ہیں تو اگر ان کے آپس میں کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آجائے تو ہمارے لیے طریق کار کیا ہونا چاہیے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دو متضاد اقوال میں دونوں کو صحیح سمجھ کر دونوں ہی کو معمول نہیں بنایا جاسکتا۔ عمل کرنے کے لیے کسی ایک کو اختیار کرنا دوسرے کو چھوڑنا لازم ہے تو اس ترک و اختیار کا معیار کیا ہونا چاہیے۔ نیز اس میں دونوں طرف کے بزرگوں کا ادب و احترام اور تعظیم کیسے قائم رہے گی؛ جب کہ ایک کے قول کو مرجوح قرار دے کر چھوڑا جائے گا۔

خصوصاً یہ سوال ان معاملات میں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جن میں ان حضرات کا اختلاف باہمی جنگ و خونریزی تک پہنچ گیا۔ ان میں ظاہر ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہے، دوسرا خطا پر، اس خطا و صواب کے معاملے کو طے کرنا عمل و عقیدہ کے لیے ضروری ہے؛ مگر اس صورت میں دونوں فریق کی یکساں تعظیم و احترام کیسے قائم رکھا جاسکتا ہے؟ جس کو خطا پر قرار دیا جائے اس کی تنقیص ایک لازمی امر ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا رائج اور دوسرے کو خطا یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے۔ اسلاف امت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لیے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا؛ لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو۔ خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے ان کا مقابلہ کرنے والے خطا پر، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب خطا پر؛ البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو؛ بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہوگئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔

باجماع امت ان حضرات صحابہؓ کے اس اختلاف کو بھی اسی طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔

اس طرح ایک طرف خطا و صواب کو بھی واضح کر دیا گیا، دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا اور مشاجرات صحابہؓ میں کف لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلا وجہ ان روایات و حکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہوں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال ذیل:

تفسیر قرطبی سورہ حجرات میں آیت **وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا** کے تحت مشاجرات صحابہ پر سلف صالحین کے اقوال کے ساتھ بہترین تحقیق فرمائی ہے جو انھیں کی طویل عبارت میں لکھی

جاتی ہے۔

(۱۴) الْعَاشِرَةُ - لَا يَجُوزُ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ خَطَاءٌ مَقْطُوعٌ بِهِ، إِذْ كَانُوا كُلُّهُمْ اجْتَهَدُوا فِيَمَا فَعَلُوهُ وَأَرَادُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُمْ كُلُّهُمْ لَنَا أَئِمَّةٌ، وَقَدْ تَعَبَدْنَا بِالْكَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِأَحْسَنِ الذِّكْرِ، لِحُرْمَةِ الصُّحْبَةِ وَلِنَهْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سَبِّهِمْ، وَأَنَّ اللَّهَ غَفَرَ لَهُمْ، وَأَخْبَرَ بِالرِّضَاءِ عَنْهُمْ، هَذَا مَعَ مَا قَدْ وَرَدَ مِنَ الْأَخْبَارِ مِنْ طُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ طَلْحَةَ شَهِيدٌ. يَمْشِي عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ، فَلَوْ كَانَ مَا خَرَجَ إِلَيْهِ مِنَ الْحَرْبِ عَصِيانًا لَمْ يَكُنْ الْقَتْلُ فِيهِ شَهِيدًا، وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَ مَا خَرَجَ إِلَيْهِ خَطَاءٌ فِي التَّأْوِيلِ وَتَقْصِيرًا فِي الْوَاجِبِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الشَّهَادَةَ لَا تَكُونُ إِلَّا بِقَتْلِ فِي طَاعَةٍ، فَوَجِبَ حَمْلُ أَمْرِهِمْ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ. وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ مَا قَدْ صَحَّ وَانْتَشَرَ مِنْ أَخْبَارٍ عَلَى بَأْسِ قَاتِلِ الزُّبَيْرِ فِي النَّارِ. وَقَوْلُهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "بَشَرٌ قَاتِلُ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ". وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ طَلْحَةَ، وَالزُّبَيْرَ غَيْرَ عَاصِيَيْنِ وَلَا آثِمِينَ بِالْقِتَالِ، لِأَنَّ ذَلِكَ لَوْ كَانَ كَذَلِكَ لَمْ يَقُلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَلْحَةَ: "شَهِيدٌ". وَلَمْ يُخْبِرْ أَنَّ قَاتِلَ الزُّبَيْرِ فِي النَّارِ، وَكَذَلِكَ مَنْ قَعَدَ غَيْرُ مُخْطِئٍ فِي التَّأْوِيلِ. بَلْ صَوَابُ أَرَاهِمُ اللَّهُ الْاجْتِهَادَ. وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَمْ يُوجِبْ ذَلِكَ لَعْنَهُمْ وَالْبَرَاءَةَ مِنْهُمْ وَتَفْسِيْقَهُمْ، وَإِبْطَالَ فَضَائِلِهِمْ وَجِهَادَهُمْ، وَعَظِيمَ غِنَائِهِمْ فِي الدِّينِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ. وَقَدْ سُئِلَ بَعْضُهُمْ عَنِ الدِّمَاءِ الَّتِي أُرِيقَتْ فِيَمَا بَيْنَهُمْ فَقَالَ: "تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ" وَسُئِلَ بَعْضُهُمْ عَنْهَا أَيْضًا فَقَالَ: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ مِنْهَا يَدِي، فَلَا أُخْضِبُ بِهَا لِسَانِي. يَعْنِي فِي التَّحَرُّزِ مِنَ الْوُقُوعِ فِي خَطَاءٍ، وَالْحُكْمِ عَلَى بَعْضِهِمْ بِمَا لَا يَكُونُ مُصِيبًا فِيهِ. قَالَ ابْنُ فُورَكٍ: وَمِنْ أَصْحَابِنَا مَنْ قَالَ إِنَّ سَبِيلَ مَا جَرَتْ بَيْنَ الصَّحَابَةِ مِنَ الْمُنَازَعَاتِ كَسَبِيلِ مَا جَرَى بَيْنَ إِخْوَةِ يُوسُفَ مَعَ يُوسُفَ، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَمْ يَخْرُجُوا بِذَلِكَ عَنْ حَدِّ الْوَلَايَةِ وَالنُّبُوَّةِ، فَكَذَلِكَ الْأَمْرُ فِيَمَا جَرَى بَيْنَ الصَّحَابَةِ. وَقَالَ الْمُحَاسِبِيُّ: فَأَمَّا الدِّمَاءُ فَقَدْ أَشْكَلَ عَلَيْنَا الْقَوْلُ فِيهَا بِاخْتِلَافِهِمْ. وَقَدْ سُئِلَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ عَنْ قِتَالِهِمْ فَقَالَ: قِتَالُ شَهِدِهِ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغِبْنَا، وَعَلِمُوا وَجْهَنَا، وَاجْتَمَعُوا فَاتَّبَعْنَا، وَاخْتَلَفُوا فَوَقَفْنَا. قَالَ الْمُحَاسِبِيُّ

فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ الْحَسَنُ، وَنَعْلَمُ أَنَّ الْقَوْمَ كَانُوا أَعْلَمَ بِمَا دَخَلُوا فِيهِ مِنَّا، وَنَتَّبِعُ مَا اجْتَمَعُوا عَلَيْهِ، وَنَقِفُ عِنْدَ مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَلَا نَبْتَدِعُ رَأْيًا مِنَّا، وَنَعْلَمُ أَنَّهُمْ اجْتَهَدُوا وَأَرَادُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، إِذْ كَانُوا غَيْرَ مُتَّهَمِينَ فِي الدِّينِ، وَنَسْأَلُ اللَّهَ التَّوْفِيقَ. (تفسير القرطبي ص ۳۲۲، ج ۱۶)

یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے؛ اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں؛ کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انھیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے، اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا:

”ان طلحة شهيد يمشي على وجه الأرض“

”یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں“

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لیے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہر گز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح اگر حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جاسکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا؛ کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربانی میں قتل ہوا ہو، لہذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اسی بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”زیر کا قاتل جہنم میں ہے“

نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو“ جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور ﷺ حضرت طلحہؓ کو ”شہید“ نہ فرماتے اور حضرت اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے، جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہؓ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے، انھیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا۔ جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا، ان سے براہت کا اظہار کرنا اور انھیں فاسق قرار دینا، اُن کے فضائل و مجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرامؓ کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا، تو انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ.

ترجمہ: یہ ایک امت تھی جو گزر گئی، اس کے اعمال اس کے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا:

”یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو اس میں (رنگنے سے) بچایا، اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا۔“

مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں:

”ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات کہ وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے، بالکل یہی معاملہ صحابہؓ کے درمیان پیش آنے والے واقعات کا بھی ہے۔“

اور حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ:

”جہاں تک اس خونریزی کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا مشکل ہے؛ کیونکہ اس میں خود صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ

”یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے اور ہم غائب، وہ پورے حالات کو جانتے تھے، ہم

نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہے، ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔“

حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی، ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا، ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے، لہذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں اور جس میں ان کا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں، ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ کی خوشنودی چاہی تھی؛ اس لیے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔“

اس طویل عبارت میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کے عقیدے کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے۔ عبارت کے شروع میں انھوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی شہادت سے متعلق جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، ان سے اس مسئلہ پر بطور خاص روشنی پڑتی ہے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں حضرات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہؓ میں سے ہیں اور ان دس خوش نصیب حضرات میں آپ کا بھی نام ہے جن کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے اور جنھیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، ان دونوں حضرات نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا اور اسی دوران شہید ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث میں ان دونوں حضرات کو شہید قرار دیا۔ دوسری طرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علیؓ کے سرگرم ساتھیوں میں سے تھے اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ حضرت علیؓ کے مخالفین کا مقابلہ کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی، غور کیا جائے تو یہی ارشادات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا؛ بلکہ ہر ایک فریق اللہ کی رضا کے لیے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف کھلے حق و باطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لیے بیک وقت شہادت کی پیشین گوئی نہ فرمائی جاتی، ان ارشادات نے یہ واضح کر دیا کہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ بھی اللہ کی خوشنودی کے لیے لڑ رہے تھے؛ اس لیے وہ بھی شہید ہیں اور حضرت عمارؓ کا مقصد بھی رضائے الہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا؛ اس لیے وہ بھی لائق مدح و ستائش ہیں۔ دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں؛ بلکہ اجتہاد و رائے کی بنا پر تھا اور ان میں سے کسی بھی

فریق کو مجروح و مطعون نہیں کیا جاسکتا۔

شرح مواقف مقصد سابع میں ہے:

(۱۵) وَأَمَّا الْفِتْنُ وَالْحُرُوبُ الْوَاقِعَةُ بَيْنَ الصَّحَابَةِ فَالشَّامِيَةُ انْكَرُوا وَقَوْعُهَا وَلَا شَكَّ أَنَّهُ مَكَابِرَةٌ لِلتَّوَاتُرِ فِي قَتْلِ عَثْمَانَ وَوَاقِعَةُ الْجَمَلِ وَالصَّفِّينَ وَالْمُعْتَرِفُونَ بِوُقُوعِهَا مِنْهُمْ مَنْ سَكَتَ عَنِ الْكَلَامِ فِيهَا بِتَخْطِئَةٍ أَوْ تَصْوِيبٍ وَهُمْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ فَإِنْ أَرَادُوا أَنَّهُ اشْتَغَالَ بِمَا لَا يَعْنِي فَلَا بَأْسَ بِهِ إِذْ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ السَّلَفِ تِلْكَ دُمَاءُ طَهَرَ اللَّهُ عَنْهَا أَيْدِينَا فَلْنَطْهَرْ عَنْهَا الْخ.

ترجمہ: رہے وہ فتنے اور جنگیں جو صحابہؓ کے درمیان واقع ہوئے تو فرقہ شامیہ نے تو ان کے وقوع ہی کا انکار کر دیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور واقعہ جمل و صفین جس تو اتر کے ساتھ ثابت ہے، یہ اس کا بے دلیل انکار ہے اور جن حضرات نے ان کے وقوع کا انکار نہیں کیا ہے ان میں سے بعض نے تو ان واقعات میں مکمل سکوت اختیار کیا اور نہ کسی خاص فریق کی طرف غلطی منسوب کی، نہ حق و صواب یہ حضرات اہل سنت ہی کی ایک جماعت ہیں، اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ایک فضول کام ہے تو ٹھیک ہے؛ اس لیے کہ امام شافعیؒ وغیرہ علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے؛ اس لیے چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔

شیخ ابن الہمام نے ”شرح مسامرہ“ میں فرمایا:

وَاعْتِقَادُ أَهْلِ السُّنَّةِ تَرْكِةُ جَمِيعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَجُوبًا بِاثْبَاتِ اللَّهِ أَنَّهُ لِكُلِّ مِنْهُمْ وَالْكَفِّ عَنِ الطَّعْنِ فِيهِمْ الثَّنَاءُ عَلَيْهِمْ كَمَا اثْنَى اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى (وَذَكَرَ آيَاتٍ عَدِيدَةً ثُمَّ قَالَ) وَاثْنَى عَلَيْهِمُ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ثُمَّ سَرَدَ أَحَادِيثَ الْبَابِ) ثُمَّ قَالَ وَمَا جَرَى بَيْنَ مَعَاوِيَةَ وَعَلِيٍّ مِنَ الْحُرُوبِ كَانَ مَبِينًا عَلَى الْاجْتِهَادِ.

(شرح مسامرہ ص ۱۳۲ طبع دیوبند)

ترجمہ: اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ تمام صحابہؓ گویا لازمی طور پر پاک صاف مانتے ہیں؛ اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کا ترکہ فرمایا ہے، نیز ان کے بارے میں اعتراضات کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور ان سب کی مدح و ثنا کرتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ثنا فرمائی (اس کے بعد چند آیتیں ذکر کر کے فرماتے ہیں) اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی تعریف فرمائی

(پھر کچھ احادیث نقل کر کے لکھتے ہیں) اور حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں اس بحث پر تفصیلی کلام فرمایا ہے ان کے چند جملے یہ ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ويتبرعون من طريقة الروافض الذين يغيضون الصحابة ويسبونهم وطريقة النواصب الذين يؤذون أهل البيت بقول لاعمل ويمسكون عما شجر بين الصحابة ويقولون إن هذه الآثار المروية في مساوئهم منها ما هو كذب، ومنها ما قد زيد فيه ونقص وغير وجهه والصحيح منه هم فيه معذرون أما مجتهدون مصيئون، واما مجتهدون مخطئون، وهم مع ذلك لا يعتقدون أن كل واحد من الصحابة معصوم من كبائر الاثم وصغائره بل يجوز عليهم الذنوب في الجملة، ولهم من الفضائل والسوابق ما يوجب مغفرة ما يصدر منهم ان صدر حتى أنهم يغفر لهم من السيئات ما لا يغفر لمن بعدهم.

ترجمہ: اہل سنت ان روافض کے طریقہ سے براءت کرتے ہیں جو صحابہؓ سے بغض رکھتے اور انھیں برا کہتے ہیں، اسی طرح ان ناصبوں کے طریقے سے بھی براءت کرتے ہیں جو اہل بیت کو اپنی باتوں سے نہ کہ عمل سے تکلیف پہنچاتے ہیں اور صحابہؓ کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں اہل سنت سکوت اختیار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی برائی میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے بعض تو بالکل جھوٹ ہیں، بعض ایسی ہیں کہ ان میں کمی بیشی کر دی گئی ہے اور ان کا صحیح مفہوم بدل دیا گیا ہے اور اس قسم کی جو روایتیں بالکل صحیح ہوں، ان میں بھی صحابہؓ معذور ہیں، ان میں سے بعض حضرات اجتہاد سے کام لے کر حق و صواب تک پہنچ گئے اور بعض نے اجتہاد سے کام لیا اور اس میں غلطی ہو گئی اس کے ساتھ ہی اہل سنت کا یہ اعتقاد بھی نہیں ہے کہ صحابہؓ کا ہر فرد تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے؛ بلکہ ان سے فی الجملہ گناہوں کا صدور ممکن ہے؛ لیکن ان کے فضائل و سوابق اتنے ہیں کہ اگر کوئی گناہ ان سے صادر بھی ہو تو یہ فضائل ان کی مغفرت کے موجب ہیں؛ یہاں تک کہ ان کی مغفرت کے مواقع اتنے ہیں کہ ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔

کتاب مذکور میں ابن تیمیہ ایک مفصل کلام کے بعد لکھتے ہیں:

اور جب سلف صالحین اہل السنۃ والجماعۃ کا اصول یہ پڑ گیا جو اوپر بیان کیا گیا ہے تو اب یہ سمجھیے

کہ ان حضرات کے قول کا حاصل یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کی طرف جو بھی گناہ یا برائیاں منسوب کی گئی ہیں ان میں بیشتر حصہ تو جھوٹ اور افتراء ہے اور کچھ حصہ ایسا ہے جس کو انھوں نے اپنے اجتہاد سے حکم شرعی اور دین سمجھ کر اختیار کیا؛ مگر بہت سے لوگوں کو ان کے اجتہاد کی وجہ اور حقیقت معلوم نہیں، اس لیے اس کو گناہ قرار دیا اور کسی معاملہ میں یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ خطا اجتہادی ہی نہیں؛ بلکہ حقیقتاً گناہ ہی ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کا وہ گناہ بھی معاف ہو چکا ہے، یا اس وجہ سے کہ انھوں نے توبہ کر لی (جیسا کہ بہت سے ایسے معاملات میں ان کی توبہ خود قرآن و سنت میں منقول و ماثور ہے) اور یا ان کی دوسری ہزاروں حسنات و طاعات کے سبب معاف کر دیا گیا اور یا اس کو دنیا میں کسی مصیبت و تکلیف میں مبتلا کر کے اس گناہ کا کفارہ کر دیا گیا، اس کے سوا اور بھی اسباب مغفرت کے ہو سکتے ہیں (ان کے گناہ کو مغفور و معاف قرار دینے کی وجہ یہ ہے) کہ قرآن و سنت کے دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اس لیے ناممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل ان کے نامہ اعمال میں باقی رہے جو جہنم کی سزا کا سبب بنے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی شخص ایسی حالت پر نہیں مرے گا جو دخول جہنم کا سبب بنے تو اس کے سوا اور کوئی چیز ان کے استحقاق جنت میں مانع نہیں ہو سکتی۔

اور عشرہ مبشرہ کے علاوہ کسی معین ذات کے متعلق اگرچہ ہم یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ جنتی ہے جنت ہی میں جائے گا؛ مگر یہ بھی تو جائز نہیں کہ ہم کسی کے حق میں بغیر کسی دلیل شرعی کے یہ کہنے لگیں کہ وہ مستحق جنت کا نہیں ہے؛ کیونکہ ایسا کہنا تو عام مسلمانوں میں سے بھی کسی کے لیے جائز نہیں جن کے بارے میں ہمیں کسی دلیل سے جنتی ہونا بھی معلوم نہ ہو۔ ہم ان کے بارے میں بھی یہ شہادت نہیں دے سکتے کہ وہ ضرور جہنم میں جائے گا تو پھر افضل المومنین اور خیار المومنین (صحابہ کرام) کے بارے میں یہ کیسے جائز ہو جائے گا اور ہر صحابی کے پورے اعمال ظاہرہ و باطنہ کی اور حسنات و سیئات اور ان کے اجتہادات کی تفصیلات کا علم ہمارے لیے بہت دشوار ہے اور بغیر علم و تحقیق کے کسی کے متعلق فیصلہ کرنا حرام ہے اسی لیے مشاجرات صحابہؓ کے معاملہ میں سکوت کرنا بہتر ہے؛ اس لیے کہ بغیر علم صحیح کے کوئی حکم لگانا حرام ہے۔ انتہی، (شرع عقیدہ واسطیہ ص ۲۵۶-۲۵۷)

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صحیح روایت سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(۱۹) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے حضرت عثمان غنیؓ پر تین الزام لگائے۔

ایک یہ کہ وہ غزوہ احد میں میدان سے بھاگنے والوں میں تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ غزوہ بدر میں شریک

نہیں تھے۔ تیسرے یہ کہ بیعت رضوان میں بھی شریک نہ تھے۔

حضرت عبداللہ نے ان تینوں الزاموں کا جواب یہ دیا کہ بیشک غزوہ احد میں فرار کا صدور ان سے ہوا؛ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی معافی کا اعلان کر دیا۔ مگر تم نے پھر بھی معاف نہ کیا کہ اس کا ان پر عیب لگاتے ہو۔ رہا غزوہ بدر میں شریک نہ ہونا تو وہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا اور اسی لیے آپ نے عثمان غنی کو غانمین بدر میں شمار کر کے ان کا حصہ لگایا اور بیعت رضوان کے وقت وہ حضور ہی کے بھیجے ہوئے مکہ مکرمہ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بیعت میں شریک کرنے کے لیے خود اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر اپنے دست مبارک سے بیعت فرمائی اور ظاہر ہے کہ خود عثمان غنی حاضر ہوتے اور ان کا ہاتھ اس جگہ ہوتا تو بھی وہ فضیلت حاصل نہ ہوتی؛ کیونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اس سے ہزاروں درجہ بہتر ہے۔“

اس واقعہ میں غور کرو کہ تین الزاموں میں سے ایک الزام کو صحیح مان کر یہ جواب دیا کہ اب وہ ان کے لیے کوئی عیب نہیں؛ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے۔ باقی دو الزاموں کا غلط بے اصل ہونا بیان فرمادیا۔ اس کو نقل کر کے ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہی حال تمام صحابہ کا ہے ان کی طرف جو کوئی گناہ منسوب کیا جاتا ہے یا تو وہ گناہ ہی نہیں ہوتا بلکہ حسنہ اور نیکی ہوتی ہے اور یا پھر وہ اللہ کا معاف کیا ہوا گناہ ہوتا ہے (شرح عقیدہ واسطیہ ص ۴۶۰-۴۶۱)

(۲۰) علامہ سفارینی نے اپنی کتاب الدرۃ المصنیہ میں، پھر اس کی شرح میں اس مسئلہ پر اچھا کلام کیا ہے اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، پہلے متن کتاب کے دو شعر لکھے ہیں۔

واحذر من الخوض الذی قد یزری، بفضلہم مما جرى لو تدری
اور پرہیز کرو صحابہ کرام میں پیش آنے والے جھگڑوں میں دخل دینے سے جس میں ان میں سے کسی کی تحقیر ہوتی ہو۔

فانہ عن اجتہاد قد صدر فاسلم ازل اللہ من لہم ہجر
کیوں کہ ان کا جو عمل بھی ہوا ہے اپنے اجتہاد شرعی کی بنا پر ہوا ہے تم سلامتی کی راہ اختیار کرو۔
اللہ ذلیل کرے اس شخص کو جو ان کی بدگوئی کرے۔

اس کے بعد اس کی شرح میں فرمایا:

فَإِنَّهُ أَيْ التَّخَاصُّمُ وَالنِّزَاعُ وَالتَّقَاتُلُ وَالِدِّفَاعُ الَّذِي جَرَى بَيْنَهُمْ كَأَن عَنِ اجْتِهَادٍ
قَدْ صَدَرَ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ رُؤُسِ الْفَرِيقَيْنِ، وَمَقْصِدٍ سَائِعٍ لِكُلِّ فِرْقَةٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ،

وَإِنْ كَانَ الْمُصِيبُ فِي ذَلِكَ لِلصَّوَابِ وَاحِدَهُمَا وَهُوَ عَلَى رِضْوَانِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَمَنْ
وَالَاهُ، وَالْمُخْطِئُ هُوَ مَنْ نَازَعَهُ وَعَادَاهُ، غَيْرَ أَنَّ لِلْمُخْطِئِ فِي الاجْتِهَادِ أَجْرًا وَثَوَابًا،
خِلَافًا لِأَهْلِ الْجَفَاءِ وَالْعِنَادِ، فَكُلُّ مَا صَحَّ مِمَّا جَرَى بَيْنَ الصَّحَابَةِ الْكِرَامِ وَجَبَ حَمْلُهُ
عَلَى وَجْهِ يَنْفَى عَنْهُمْ الذُّنُوبَ وَالْآثَامَ، فَمُقَاوَلَةُ عَلَىٍّ مَعَ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا
تَقْضِي إِلَى شَيْءٍ، وَتَقَاعُدُ عَلَىٍّ عَنْ مُبَايَعَةِ الصَّدِيقِ فِي بَدْءِ الْأَمْرِ كَانَ لِأَحَدِ أَمْرَيْنِ: إِمَّا
لِعَدَمِ مَشُورَتِهِ كَمَا عَتَبَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ، وَإِمَّا وَقُوفًا مَعَ خَاطِرِ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِ فَاطِمَةَ
الْبَتُولِ مِمَّا ظَنَّتْ أَنَّهُ لَهَا، وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَمَا هُنَاكَ، ثُمَّ إِنَّ عَلِيًّا بَايَعَ الصَّدِيقَ عَلَى رُؤْسِ
الْأَشْهَادِ، فَاتَّحَدَتِ الْكَلِمَةُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَحَصَلَ الْمُرَادُ، وَتَوَقَّفَ عَلَىٍّ عَنِ الْاِقْتِصَاصِ
مِنْ قِتْلَةِ عُثْمَانَ، إِمَّا لِعَدَمِ الْعِلْمِ بِالْقَاتِلِ، وَإِمَّا خَشْيَةَ تَزَايُدِ الْفَسَادِ وَالطُّغْيَانِ، وَكَانَتْ
عَائِشَةُ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَمُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَمَنْ اتَّبَعَهُمْ مَا بَيْنَ مُجْتَهِدٍ وَمُقَلِّدٍ فِي
جَوَازِ مُحَارَبَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ سَيِّدِنَا أَبِي الْحَسَنِ، الْأَنْزَعَ الْبَطِينِ رِضْوَانُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ.
وَقَدْ اتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ أَنَّ الْمُصِيبَ فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ وَالتَّنَازُعِ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ
مِنْ غَيْرِ شَكٍّ وَلَا تَدَافِعٍ، وَالْحَقُّ الَّذِي لَيْسَ عَنْهُ نَزْوُلٌ أَنَّهُمْ كُلُّهُمْ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ
عُدُولٌ، لِأَنَّهُمْ مَتَاوَلُونَ فِي تِلْكَ الْمَخَاصِمَاتِ مُجْتَهِدُونَ فِي هَاتِيكَ الْمُقَاتَلَاتِ، فَإِنَّهُ
وَإِنْ كَانَ الْحَقُّ عَلَى الْمُعْتَمِدِ عِنْدَ أَهْلِ الْحَقِّ وَاحِدًا، فَالْمُخْطِئُ مَعَ بَذْلِ الْوُسْعِ وَعَدَمِ
التَّقْصِيرِ مَاجُورٌ لَا مَازُورٌ، وَسَبَبُ تِلْكَ الْحُرُوبِ اشْتِبَاهُ الْقَضَايَا، فَلِشِدَّةِ اشْتِبَاهِهَا
اِخْتَلَفَ اجْتِهَادُهُمْ، وَصَارُوا ثَلَاثَةَ أَقْسَامٍ: قِسْمٌ ظَهَرَ لَهُمْ اجْتِهَادًا أَنَّ الْحَقَّ فِي هَذَا
الطَّرَفِ، وَأَنَّ مُخَالَفَتَهُ بَاغٌ فَوَجَبَ عَلَيْهِ نُصْرَةُ الْمُحَقِّ، وَقِتَالُ الْبَاغِيِّ عَلَيْهِ فِيمَا اعْتَقَدُوهُ،
فَفَعَلُوا ذَلِكَ، وَلَمْ يَكُنْ لِمَنْ هَذَا صِفَتُهُ التَّأَخُّرُ عَنْ مُسَاعَدَةِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ فِي قِتَالِ الْبَغَاةِ
فِي اعْتِقَادٍ، وَقِسْمٌ عَكْسُهُ سَوَاءٌ بِسَوَاءٍ، وَقِسْمٌ ثَالِثٌ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِمُ الْقَضِيَّةُ، فَلَمْ يَظْهَرْ
لَهُمْ تَرْجِيحُ أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ، فَاعْتَزَلُوا الْفَرِيقَيْنِ، وَكَانَ هَذَا الْإِعْتِزَالُ هُوَ الْوَاجِبُ فِي
حَقِّهِمْ، لِأَنَّهُ لَا يَحِلُّ الْإِفْدَامُ عَلَى قِتَالِ مُسْلِمٍ حَتَّى يَظْهَرَ مَا يُوجِبُ ذَلِكَ، وَبِالْجُمْلَةِ
فَكُلُّهُمْ مَعْدُورُونَ وَمَاجُورُونَ لَا مَازُورُونَ، وَلِهَذَا اتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ مِمَّنْ يُعْتَدُّ بِهِ فِي
الْإِجْمَاعِ عَلَى قَبُولِ شَهَادَاتِهِمْ وَرَوَايَاتِهِمْ، وَثُبُوتِ عَدَالَتِهِمْ، وَلِهَذَا كَانَ عُلَمَائُنَا
كَغَيْرِهِمْ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَمِنْهُمْ ابْنُ حَمْدَانَ فِي نِهَايَةِ الْمُبْتَدِئِينَ يَجِبُ حُبُّ كُلِّ

الصَّحَابَةِ، وَالْكَفُّ عَمَّا جَرَى بَيْنَهُمْ كِتَابَةً وَقِرَاءَةً وَإِقْرَاءً وَسَمَاعًا وَتَسْمِيعًا، وَيَجِبُ ذِكْرُ مَحَاسِنِهِمْ وَالتَّرَضُّي عَنْهُمْ وَالْمَحَبَّةُ لَهُمْ وَتَرْكُ التَّحَامُلِ عَلَيْهِمْ، وَاعْتِقَادُ الْعُذْرِ لَهُمْ، وَأَنَّهُمْ إِنَّمَا فَعَلُوا مَا فَعَلُوا بِاجْتِهَادٍ سَائِغٍ لَا يُوجِبُ كُفْرًا وَلَا فِسْقًا، بَلْ وَرُبَّمَا يُثَابِتُونَ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ اجْتِهَادٌ سَائِغٌ، ثُمَّ قَالَ وَقِيلَ: الْمُصِيبُ عَلِيٌّ، وَمَنْ قَاتَلَهُ فَخَطَّوْهُ مَعْفُورٌ عَنْهُ. وَإِنَّمَا نَهَى عَنِ الْخَوْضِ فِي النَّظْمِ (ای فی نظم العقیدہ عن الخوض فی مشاجرات الصحابة) لِأَنَّ الْإِمَامَ أَحْمَدَ كَانَ يُنْكِرُ عَلَى مَنْ خَاضَ وَيُسَلِّمُ أَحَادِيثَ الْفَضَائِلِ، وَقَدْ تَبَرَّأَ مِمَّنْ ضَلَّلَهُمْ أَوْ كَفَّرَهُمْ، وَقَالَ: السُّكُوتُ عَمَّا جَرَى بَيْنَهُمْ. (شرح عقائد سفارینی ص ۳۸۶ ج ۲)

ترجمہ: اس لیے کہ جو نزاع وجدال اور دفاع و قتال صحابہؓ کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بنا پر تھا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا، اگرچہ اس اجتہاد میں برحق فریق ایک ہی ہے اور وہ حضرت علیؓ اور ان کے رفقا ہیں اور خطا پر وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ سے نزاع وعداوت کا معاملہ کیا؛ البتہ جو فریق خطا پر تھا، اسے بھی ایک اجر و ثواب ملے گا، اس عیقہہ میں صرف اہل جفا و عناد ہی اختلاف کرتے ہیں، لہذا صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں ان کی بھی اس میں تشریح کرنا واجب ہے جو ان حضرات سے گناہوں کے الزام کو دور کرنے والی ہو، لہذا حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے درمیان جو تلخ کلامی ہوئی وہ کسی کے لیے موجب عیب نہیں، نیز ابتداء میں حضرت علیؓ نے جو حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، وہ دو باتوں میں سے کسی ایک وجہ سے تھی، یا تو اس لیے کہ ان سے مشورہ نہیں لیا گیا تھا، جیسا کہ خود انہوں نے اسی پر رنجیدگی کا اظہار فرمایا، یا پھر اس سے حضرت فاطمہؓ کی دلداری مقصود تھی جو یہ سمجھتی تھیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے جو حصہ مجھے ملنا چاہیے، وہ ملے پھر حضرت علیؓ نے بلاشبہ تمام لوگوں کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی بات ایک ہو گئی اور مقصد حاصل ہو گیا۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے میں جو توقف سے کام لیا وہ یا تو اس بنا پر تھا کہ یقینی طور سے قاتل معلوم نہ ہو سکا یا اس لیے کہ فتنہ فساد میں اضافہ کا اندیشہ تھا اور حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے تابعین نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کو جو جائز سمجھا اس میں ان میں سے بعض حضرات مجتہد تھے اور بعض ان کی تقلید کرنے والے۔

اور اس بات پر اہل حق کا اتفاق ہے کہ ان جنگوں میں حق بلاشبہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اور وہ عقیدہ برحق جس پر کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی، یہ ہے کہ یہ تمام حضرات صحابہؓ عادل ہیں؛ اس لیے کہ ان تمام جنگوں میں انھوں نے تاویل اور اجتہاد سے کام لیا؛ اس لیے کہ اہل حق کے نزدیک اگرچہ حق ایک ہی ہوتا ہے؛ لیکن حق تک پہنچنے کے لیے پوری کوشش صرف کرنے اور اس میں کوتاہی نہ کرنے کے بعد کسی سے غلطی بھی ہو جائے تو وہ ماجور ہی ہوتا ہے، گناہ گار نہیں۔

اور درحقیقت ان جنگوں کا سبب معاملات کا اشتباہ تھا، یہ اشتباہ اتنا شدید تھا کہ صحابہؓ کی اجتہادی آراء مختلف ہو گئیں اور وہ تین قسموں میں بٹ گئے، صحابہؓ کی ایک جماعت تو وہ تھی جس کے اجتہاد نے اسے اس نتیجہ تک پہنچایا کہ حق فلاں فریق کے ساتھ ہے اور اس کا مخالف باغی ہے، لہذا اس پر اپنے اجتہاد کے مطابق برحق فریق کی مدد کرنا اور باغی فریق سے لڑنا واجب ہے؛ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کا حال یہ ہو اس کے لیے ہرگز مناسب نہیں تھا کہ وہ امام عادل و برحق کی مدد اور باغیوں سے جنگ کے فریضے میں کوتاہی کرے۔ دوسری قسم اس کے برعکس ہے اور اس پر بھی تمام وہی باتیں صادق آتی ہیں جو پہلی قسم کے لیے بیان کی گئی ہیں، صحابہؓ کی ایک تیسری جماعت وہ تھی جس کے لیے کچھ فیصلہ کرنا مشکل تھا اور اس پر یہ واضح نہ ہو سکا کہ فریقین میں سے کس کو ترجیح دے یہ جماعت فریقین سے کنارہ کش رہی اور ان حضرات کے حق میں یہ کنارہ کشی ہی واجب تھی؛ اس لیے کہ جب تک کوئی شرعی وجہ واضح نہ ہو، کسی مسلمان کے خلاف قتال کا اقدام حلال نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہؓ معذور اور ماجور ہیں، گناہ گار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل حق کے تمام قابل ذکر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان کی شہادتیں بھی قبول ہیں اور ان کی روایات بھی اور ان سب کے لیے عدالت ثابت ہے۔ اسی لیے ہمارے ملک کے علماء نے — اور ان کے علاوہ تمام اہل سنت نے — جن میں ابن حمرانؓ (نہایۃ المبتدین) بھی داخل ہیں، فرمایا ہے کہ

تمام صحابہؓ سے محبت رکھنا اور ان کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کو لکھنے، پڑھنے، پڑھانے، سننے اور سنانے سے پرہیز کرنا واجب ہے اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا، ان سے رضامندی کا اظہار کرنا، ان سے محبت رکھنا، ان پر اعتراضات کی روش کو چھوڑنا، انھیں معذور سمجھنا اور یہ یقین رکھنا واجب ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا وہ ایسے جائز اجتہاد کی بنا پر کیا جس سے نہ کفر لازم آتا ہے نہ فسق ثابت ہوتا ہے؛ بلکہ بسا اوقات اس پر انھیں ثواب ہوگا اس لیے کہ یہ ان کا جائز اجتہاد تھا۔ پھر کہتے ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ حق حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اور جس نے ان سے قتال کیا اس

کی غلطی معاف کر دی گئی ہے۔ اور الدرۃ المصبیہ کی نظم میں جو مشاجرات کے معاملہ میں غور و بحث سے منع کیا گیا ہے، وہ اس لیے کہ امام احمدؒ اس شخص پر نکیر فرمایا کرتے تھے جو اس بحث میں الجھتا ہو اور فضائل صحابہ میں جو احادیث آئی ہیں، انہیں تسلیم فرما کر ان لوگوں سے براہت کا اظہار کرتے تھے جو صحابہ کو گمراہ یا کافر کہتے ہیں اور کہتے تھے کہ (صحیح طریقہ) مشاجرات صحابہ میں سکوت اختیار کرنا ہے۔ یہ مختصر مجموعہ ہے سلف و خلف، متقدمین و متاخرین علماء امت کے عقائد و اقوال کا جن میں تمام صحابہ کرام کے عدل و ثقہ ہونے پر بھی اجماع و اتفاق ہے اور اس پر بھی کہ ان کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں خوض نہ کیا جائے یا سکوت اختیار کریں، یا پھر ان کی شان میں کوئی ایسی بات کہنے سے پرہیز کریں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔



کمالاتِ نبوت کے آئینہ دار

از: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کو پہچاننے کے لیے حضرات صحابہؓ ہی کی زندگی معیار ہو سکتی ہے؛ کیونکہ یہی وہ مقدس طبقہ ہے جس نے براہِ راست فیضانِ نبوت سے نور حاصل کیا اور اسی پر آفتابِ نبوت کی کرنیں بلا کسی حائل و حجاب کے پڑیں؛ اس لیے قدرتی طور پر جو ایمانی حرارت اور نورانی کیفیت ان میں آسکتی تھی وہ بعد والوں کو مسیرِ آنی طبعاً ناممکن تھی؛ اس لیے قرآنِ حکیم نے من حیث الطبقة اگر کسی پورے کے پورے طبقہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صحابہ کرامؓ ہی کا طبقہ ہے۔ اس نے انھیں مجموعی طور پر راضی مرضی اور راشد و مُرشد فرمایا، ان کے قلوب کو تقویٰ و طہارت سے جانچا پرکھا، بتلایا اور انھیں کے رکوع و سجود کے نورانی آثار کو جو ان کی پیشانیوں پر بہ طور گواہ نمایاں تھے، ان کی عبودیت اور ہمہ وقت سر نیاز خم کیے رہنے کی شہادت کے طور پر پیش فرمایا۔ اس لیے امت کا یہ اجماعی عقیدہ مسلسل اور متواتر چلا آ رہا ہے کہ صحابہ کمل کے کل عدول اور متقن ہیں، ان کے قلوب نیات کے کھوٹ سے بری ہیں اور ان کا اجماع شرعی حجت ہے، جس کا منکر دائرۃ اسلام سے خارج ہے؛ اس لیے بہر حال صحابہؓ ہی کے مقدس طبقہ کو بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ وہ کمالاتِ نبوت کے آئینہ دار اور جمالاتِ رسالت کا مظہر اتم ہے۔ حضورؐ کے عاداتِ کریمہ، خصائلِ حمیدہ، شمائلِ فاضلہ، اخلاقِ عظیمہ اور شریعت کے تمام مسائل و دلائل اور حقائق و آداب کا علماً و عملاً سچا ترجمان ہے اور اس لیے ان کی راہ کا اتباع اک بے غل و غش اور مطمئن راستہ ہے، جو امت کو ہر گمراہی سے بچا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

مَنْ كَانَ مُسْتَنَّاً فَلَيْسَتْ بِيَمَنِ قَدَمَاتُ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تَوْمُنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أَوَّلُكَ
أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبْرَهَا قُلُوبًا وَأَعَمَّقَهَا

علما وأقلاها تكلفًا اختارهم الله لصحبة نبيه وإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على أثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم (رواه رزين، مشكوة، ص ۳۲)

ترجمہ: ”جسے دین کی راہ اختیار کرنی ہے وہ ان کی راہ اختیار کر جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں جو اس اُمت کا سب سے افضل ترین طبقہ ہے قلوب ان کے پاک تھے علم ان کا گہرا تھا تکلف و تصنع ان میں کا عدم تھا اللہ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور دین کے برپا کرنے کے لیے چن لیا تھا؛ اس لیے ان کی فضیلت و برگزیدگی کو پہچانوان کے نقش قدم پر چلو اور طاقت بھران کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو مضبوط پکڑو؛ اس لیے کہ وہی ہدایت کے سیدھے راستے پر تھے۔“

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کی ذات اقدس زندگی کے ہر شعبے کے ہر پہلو کی خبر کی جامع تھی اور ذات بابرکات کو حق تعالیٰ نے سارے ہی علمی و عملی کمالات کا منہا اور آخری نقطہ فیض بنایا تھا ممکن نہ تھا کہ اُمت کا ہر طبقہ جس کی قابلیتیں اور علمی و عملی صلاحیتیں کم و بیش اور متفاوت اور ذہنی پروازیں الگ الگ تھیں کسی طبقہ پر علم کا، غلبہ کسی پر زہد کا، کسی پر تقویٰ و طہارت کا غلبہ، کسی پر افادہ و ارشاد کا، کسی پر خلوت کا، تو کسی پر جلوت کی جلوہ آرائی کا پھر معاشرتی لائسنوں میں کسی میں تجارت کا ذوق اور کسی میں صنعت و حرفت کا، کسی میں ملازمت کا شوق اور کسی میں دوسرے کاروبار کا۔ ضروری نہ تھا کہ ہر ہر طبقہ نبوت کے ہر رُخ کو پورے پورے غلبہ اور یکسانیت کے ساتھ اپنی اپنی مخصوص زندگیوں کا جوہر بنا سکے اور براہ راست اس تک پہنچ سکے؛ اس لیے حق تعالیٰ ان مظاہر نبوت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہر طبقہ کے افراد جمع فرمادیے تھے ان میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، تاجر بھی تھے اور کاشتکار بھی، صنّاع بھی تھے اور اہل حرفہ بھی، مزدور بھی تھے اور سرمایہ دار بھی، قاضی و مفتی بھی تھے اور محکوم بھی، ملازمت پیشہ بھی تھے اور یکسو بھی، خلوت پسند بھی تھے اور جلوت دوست بھی، ارباب اقتدار بھی تھے اور پبلک میں بھی، صف شکن بھی تھے اور نفس کش، خواص بھی تھے اور عوام بھی؛ غرض ہر درجہ اور ہر لائن کے لوگ اس مقدس طبقہ میں منجانب اللہ مہیا تھے؛ مگر قدر مشترک ان سب میں کمال دین کمال اخلاص، کمال تقویٰ، کمال اتباع سنت اور کمال محبت خدا و رسول تھا جو روح کی طرح ان کے تمام عادات و افعال اور سارے ہی اخلاق و شمائل میں دوڑا ہوا تھا جس سے وہ ہر وقت سرشار اور اس کے عرفانی نشہ میں مست و مستغرق تھے۔ ان کی تجارت و ملازمت، صنعت و حرفت، دولت و شوکت، امارت و غربت،

عبادت و ریاضت، جہاد و دعوت، دین و دیانت کے معیاری مقام سے ذرہ بھر بھی گری ہوئی یا ہٹی ہوئی نہ تھی اور بالفاظ دیگر اتباع و اخلاص کی وجہ سے سر تا پا دین ہی دین تھی؛ اس لیے دین کے اتباع کے ساتھ دنیا کے جس طبقہ پر دین کا جو رنگ بھی غالب ہو اور وہ دیانت کے جس رنگ میں بھی اپنی زندگی گزارنا چاہے، اُسے صحابہؓ کی زندگی میں وہ نمونہ مل جائے گا جو اس دائرہ کی سنت نبوی سے مستنیر ہوگا اور اس کی پیروی کر کے ایک انسان جس شعبہ زندگی میں بھی بڑھنا چاہے اتباع سنت کے دائرہ سے باہر نہ ہوگا۔ پس حق تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا فضل ہے کہ اس جامع دین کے دریا کے جو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے، گھاٹ ہزاروں بنادیئے جو ہر سمت اور ہر گوشہ میں ہیں، ان کی سمتیں مختلف ہیں، رُخ الگ الگ ہیں؛ لیکن پانی ایک، اس کا ذائقہ ایک اور اس کی خوشبو واحد ہے۔ اگر اس عالمی دریا کا ایک ہی گھاٹ اور ایک ہی مشرب (جائے آب نوش) ہوتا اور مشرق و مغرب کے لوگ پابند کیے جاتے کہ وہ اسی ایک گھاٹ پر پہنچ کر پانی پیئیں اور جمع کریں تو اس عالمی اُمت کے لیے زندگی دو بھر اور وبال جان ہو جاتی؛ اس لیے حق تعالیٰ نے صحابہؓ کی زندگی کے اتنے ہی نمونے بنادیئے جتنے زندگی کے گوشے اور اللہ تک پہنچنے کے رُخ ہو سکتے ہیں؛ تاکہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق ہر اُمتی ان مختلف الجہات مشربوں اور رخنوں سے اسلام کا آبِ حیات پیتا رہے اور اپنی روح کو سیراب کرتا رہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو صحابہ کرامؓ کی زندگیوں پر چلیں اور ان زندگیوں کو پیش کر کے دنیا کو اس پر چلائیں کہ یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زریں نصیحت کی سچی پیروی اور کتاب و سنت کا صحیح اتباع ہے۔

دین الہی کے پاسبان

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ جل شانہ نے نبی اکرم رسول معظم فخر بنی آدم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے انس و جن کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ نے تعلیم و تزکیہ کا فریضہ پوری طرح انجام دیا۔ اللہ کی کتاب کے الفاظ کی تعلیم دی۔ اس کے معانی اور احکام بتائے اور عملی طور پر بھی خود کر کے دکھایا اور بہت سے وہ احکام بتائے جو وحی جلی یعنی قرآن میں منصوص نہ تھے۔ آپ کی دعوت اور تعلیم و تبلیغ کا کام انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو منتخب فرمایا۔ ان حضرات نے بہت ہی تکلیفیں اٹھائیں اور اسلام کے عقائد اور اصول و فروع کے پھیلانے اور پہنچانے میں جانوں کی بازی لگا دی، جو دین ان کو ملتا تھا اس کو محفوظ رکھا اور آگے بڑھایا اور عالم میں پھیلایا۔ ساری امت پر ان حضرات کا احسان ہے کہ امت تک پورا دین پہنچا دیا۔ یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح نائب بنے۔ علم بھی سکھایا اور عمل کر کے بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے اخلاص کی قدر دانی فرمائی ان کی محنتوں کو قبول فرمایا۔ قرآن مجید میں ان کی تعریف فرمائی اور ان سے راضی ہو جانے کی خوشخبری دی اور ان کے بلند درجات سے آگاہ فرمایا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ ہے کہ بنی آدم میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت میں صحابہ کرام ہی کا درجہ ہے۔ حضرات صحابہ کرام اگرچہ معصوم نہیں ہیں؛ لیکن ان کے گناہ مغفور ہیں۔ ان سے گناہ سرزد ہونے میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں اور ان خطاؤں کا صادر ہونا ان کے بلند مرتبہ کے منافی نہیں ہے اور حضرات صحابہ کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کرنا درست ہے۔ ان میں سے کسی کو برا کہنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ

کی ترجمان ہے کہ

ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر لما ورد من الأحادیث الصحيحة فی مناقبهم ووجوب الکف عن الطعن فیهم.

اور حضرت صحابہؓ کا ذکر صرف خیر کے ساتھ کرے کیونکہ ان کے مناقب میں اور ان پر طعن نہ کرنے کے واجب ہونے کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

آج کل جوش تحقیق میں مجتہد اور مجدد ہونے کے دعویدار جو تھوڑی بہت شگفتہ اردو لکھ لیتے ہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے کو اپنی امارت اور تجدید کا قابل فخر کارنامہ سمجھتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے اکابر نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ حضرات صحابہ کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کیا جائے اور ان سے جو کوئی عملی خطا سرزد ہوگئی ہے اس کے بارے میں نہ صرف یہ کہ سکوت کیا جائے؛ بلکہ اس کا اچھا محمل تلاش کر لیں اور اچھی طرح تاویل کر لیں۔ ان سے نہ خود بدگمان ہوں نہ دوسروں کو بدگمان ہونے دیں؛ لیکن ذوق تنقید کے خوگر حضرات صحابہؓ کو مطعون کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔ ہداهم اللہ تعالیٰ۔ دورِ حاضر کے بہت سے محقق تو اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک سے خارج ہونے کو کوئی بُری بات ہی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ اہل السنۃ والجماعۃ سے اپنی نسبت کا ٹٹنے کو پسند نہیں کرتے؛ لیکن پھر بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف کتابیں لکھتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے محققین میں کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کچھڑا چھال رہا ہے اور کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدفِ ملامت بنا رہا ہے اور بعض لوگ اہل تشیع کے جواب میں ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما مطعون ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تاریخ کے حوالوں سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کچھ لغزشیں اور کوتاہیاں جمع کر کے اور کچھ ان کے آپس کے اختلاف اور جنگ کے واقعات کو سامنے رکھ کر اپنے ذوق تنقید کی تسکین کرتے ہیں۔ ہداهم اللہ تعالیٰ۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافات اور باہمی جنگوں کے واقعات کو مشاجرات صحابہؓ کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان واقعات کے بارے میں حضرات سلف نے خاموشی اور کف لسان ہی کو واجب بتایا اور ان کا یہ بتانا اور فرمانا کتاب و سنت کے عین مطابق ہے۔

غور کرنے سے مجھے مشاجرات صحابہ کے متعلق اللہ جل شانہ نے بعض ایسے محامل القافر مادیے جن کی وجہ سے ان کے بارے میں کوئی اشکال نہیں رہا اور نہ صرف یہ کہ اشکال باقی نہ رہا؛ بلکہ دل میں

یہ آیا کہ اُمت کی تعلیم کے لیے ان مشاجرات کا وجود میں آنا ضروری تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو اللہ جل شانہ نے بہت بڑی فضیلت بخشی ہے ان کو برائی سے یاد کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے جب کہ عام مسلمانوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تسبوا الأموات فانہم قد أفضوا إلی ما قدموا یعنی مردوں کو برائی سے یاد نہ کرو؛ کیونکہ وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنی اپنی جگہ کو پہنچ چکے ہیں۔ (رواہ البخاری)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ کے نام سے تحریر فرمایا ہے اس میں انھوں نے علامہ دینوری کی کتاب المجالسہ سے نقل کیا ہے کہ رافضیوں کے مذہب کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ چند زندیقوں نے (اسلام کو لوگوں کی نظروں سے گرانے اور بدنام کرنے کے لیے) مشورہ کیا کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہیے۔ ان میں سے بعض نے رائے دی کہ مسلمانوں کے نبی کو (صلی اللہ علیہ وسلم) برا بھلا کہیں جب ان کی عظمت اور عقیدت گھٹے گی تو اس کا دین آگے بڑھنے میں بھی رکاوٹ ہوگی۔ اس پر ان کے سردار نے کہا کہ ایسا کریں گے تو ہم سب قتل کر دیے جائیں گے (کیونکہ مسلمان اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے) پھر آپس میں مشورہ ہوا کہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں کو برا بھلا کہنا چاہیے اور ان سے علیحدگی اختیار کی جائے اور ان کو کافر کہا جائے۔ جب آپس میں یہ رائے پاس ہو گئی تو انھوں نے کہا کہ علی کے علاوہ سب صحابہ دوزخ میں ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ علی ہی نبی تھے، جبرائیل سے وحی لانے میں خطا ہو گئی۔ (مفتاح الجنۃ، ص ۷۴)

یہ بات اس زمانہ کے زندیقوں نے پھیلائی اور اس کے قبول کرنے والے کچھ لوگ ہو گئے پھر سلسلہ آگے بڑھتے بڑھتے شیعیت اور رافضیت ایک مذہب بن گیا، ان کے نزدیک صحابہؓ سے بغض رکھنا اور ان کو گالیاں دینا اور ان سے بیزاری کا اعلان کرنا ہی سب سے بڑا دین ہے۔ زندیقوں نے جو یہ بات چلائی تھی درحقیقت اس میں بہت بڑا راز پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کتاب اللہ کے نقل کرنے والے ہیں اور انھوں نے ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نقل کی ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہی سارے دین کی بنیاد ہے ان دونوں چیزوں کے نقل کرنے والوں پر اگر بالفرض اعتماد نہ ہو اور ان کو کافر مان لیا جائے (جیسا کہ روافض کہتے ہیں) تو ان کی نقل کی ہوئی کتاب اور سنت پر کیا بھروسہ ہوگا۔ جب کتاب و سنت ہی محفوظ نہ رہی تو دین کہاں

رہا؟ دین حقیقی سے ہٹانے کے لیے اور اسلام کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کے لیے درحقیقت یہ بڑا حربہ ہے جو دشمنوں نے اختیار کیا۔

آج کل کے جو مصنفین اپنی تحقیق کے جواہر اس میں دکھاتے ہیں کہ حضرات صحابہ کو مطعون کریں اور ان کی لغزشوں کو جمع کریں۔ یہ لوگ اگرچہ یوں نہیں کہتے کہ ہم دشمنانِ اسلام ہیں؛ لیکن دشمنوں کے ہاتھ میں تاریخ کی کتابوں سے مواد تلاش کر کے ہتھیار دے رہے ہیں اور دین کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے دین اور علم دین اسلامی ذہن رکھنے والے اساتذہ سے حاصل نہیں کیا صرف مطالعہ کا علم رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث کی نصوص سے بے خبر ہیں یا قصداً قرآن و حدیث کی تصریحات کو دیکھنے سے گریز کرتے ہیں؛ تاکہ اس کے محقق اور ناقد ہونے پر اثر نہ پڑے؛ اس لیے آزادی کے ساتھ جو چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں۔ جب ان کو احساس دلایا جاتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تاریخ کی کتابوں میں دیکھ لیا ہے؛ حالانکہ تاریخ کی کتابیں ہر قسم کے رطب یا بس سچی جھوٹی باتوں اور روافض و خوارج کی روایتوں سے بھر پور ہیں، ان پر اعتماد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ اس دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کو بُرا مت کہو تو اس ارشاد کی خلاف ورزی کرنا کونسی دینداری اور سمجھداری ہے۔ یہ لوگ تو کتابیں لکھ کر دنیا سے چلے جائیں گے تحقیق اور تصنیف کے نام سے ان کی شہرت بھی ہو جائے گی اور اس طرح سے پیسے بھی بہت کچھ کمالیں گے؛ لیکن دشمنانِ دین ان ہی کی کتابوں کے حوالے دیتے رہیں گے اور بے پڑھے مسلمانوں کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدظن کر کے ان کے دلوں میں اسلام کے عقائد اور اعمال اور ارکان و احکام میں تذبذب اور شک پیدا کرتے رہیں گے۔ بے پڑھے لوگ صرف بل بیل چلانے والے ان پڑھے ہی نہیں پڑھے لکھے لوگ بھی بے پڑھوں میں شامل ہیں جو قرآن و حدیث سے بے بہرہ ہیں؛ مگر ڈگریاں بڑی بڑی لیے پھرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس طرح کا ذوق تنقید رکھنے والے اپنے کو خادمِ اسلام اور اقامتِ دین کا داعی بھی کہتے ہیں؛ لیکن اپنی تحریرات سے اسلام کو جو نقصان پہنچا رہے ہیں اس سے غافل یا متغافل ہیں۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک مسلمان مورخ ہونے کے وقت بھی مسلمان ہی ہے تاریخ لکھتے وقت اس کو قرآن و حدیث کی نصوص کو سامنے رکھنا لازم ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو بات کسی کی شخصیت کے متعلق ہو اس کے راویوں کو جرح و تعدیل کے اصول پر پرکھ لیں۔ مجروح رواۃ کی

روایت تو رد کی ہی جاتی ہے ثقہ راویوں کی کوئی روایت اگر نصوص قرآن و احادیث مشہورہ اور اجماع امت کے خلاف پڑتی ہو تو اس کو بھی رد کیا جاتا ہے۔ یہ اصولی بات ہے جس سے یہ محققین آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کے ہم نوا یہ بات اٹھائیں کہ پرانے مورخین جنہوں نے عربی میں کتابیں لکھیں، انہوں نے ایسی باتیں کیوں جمع کیں جن سے حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی شخصیت پر حرف آتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں، انہوں نے ان حضرات کی بہت زیادہ صحیح تعریف لکھ کر ایک آدھ بات ایسی بھی لکھ دی ہے جس سے کوئی نقص کا پہلو نکلتا ہے؛ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ تاریخی روایات معتبر نہیں یعنی جو چیز جرح و تعدیل کے بغیر لکھی گئی ہو وہ لائق اعتبار نہیں۔ پھر ان حضرات نے یہ کتابیں عربی میں لکھی تھیں دور حاضر کے محقق اول تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی لغزشیں ہی تلاش کرتے ہیں اور انہیں کو چھانٹ کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں اور لکھنے کے بعد یہ نہیں لکھتے کہ یہ چیزیں بے سند ہیں یا غیر معتبر راویوں سے مروی ہیں؛ بلکہ (حد تو یہ ہے کہ) ان کو باور کرانے کے لیے پورا زور قلم خرچ کرتے ہیں جس سے امت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بے اعتقادی؛ بلکہ بد اعتقادی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تمام صحابہؓ عدل ہیں

از: محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ

اہل سنت و جماعت کا اجماعی مسلک، جس میں کسی سنی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ ہے کہ صحابہؓ کل کے کل عدل ہیں، ان میں کوئی بھی فاسق و فاجر نہیں ہے۔
حافظ ابو عمر بن عبد البر استیعاب ج ۱ ص ۲ میں لکھتے ہیں:

فہم خیر القرون وخیر أمة أخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل عليهم وثناء رسوله ﷺ ولا أعدل ممن ارتضاه الله صحابة نبيه ونصرته ولا تزكية أفضل من ذلك ولا تعديل أكمل منه.

ترجمہ: صحابہ خیر القرون اور خیر امت ہیں، تمام صحابہ کی عدالت یوں ثابت ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی ثنا کی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا عادل نہیں ہو سکتا جس کو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور نصرت کے لیے پسند کیا ہو اور اس سے بڑھ کر کوئی تزکیہ نہیں ہو سکتا، نہ اس سے زیادہ کامل کوئی تعدیل ہو سکتی۔
آگے چل کر پھر فرماتے ہیں:

وان كان الصحابة رضی الله عنهم قد كفيينا البحث عن أحوالهم لإجماع أهل الحق من المسلمين وهم أهل السنة والجماعة على أنهم كلهم عدول (ص ۹)
ترجمہ: صحابہؓ کے احوال سے بحث کی ضرورت ہم کو نہیں ہے؛ اس لیے کہ مسلمانوں میں جو اہل حق ہیں یعنی اہل سنت و جماعت ان سب کا اجماع و اتفاق ہے کہ صحابہؓ کل کے کل عدل ہیں۔
علامہ ابن الاثیر جزری جامع الاصول میں فرماتے ہیں:

الصحابة كلهم عدول بتعديل الله عز وجل ورسوله ﷺ لا يحتاجون إلى بحث في عدالتهم وعلى هذا القول معظم المسلمين من الأئمة والعلماء من السلف والخلف (قلمی نسخندوہ)

ترجمہ: تمام صحابہ اللہ اور اللہ کے رسول کے عادل قرار دینے کی وجہ سے عادل ہیں ان کی

عدالت میں بحث کی حاجت نہیں ہے، یہی قول مسلمانوں کے بڑے طبقے (اہل سنت و جماعت) کے اگلے و پچھلے تمام ائمہ و علماء کا ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳ میں فرماتے ہیں:

اتفق أهل الحق من يعتد به في الإجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضي الله عنهم أجمعين.

ترجمہ: اہل حق اور وہ سب لوگ جن کا اجماع میں اعتبار ہے اس امر پر پورا اتفاق کیا ہے کہ صحابہ کی گواہی اور روایت مقبول ہے اور وہ کامل طور پر عادل ہیں، ان سب سے اللہ راضی ہو۔

اور اس سے پہلے لکھا ہے کلہم عدول، پوری عبارت دوسرے موقع پر نقل کی جائے گی۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدیؒ اس کی شرح ج ۲ ص ۲۲۳ میں فرماتے ہیں:

واعتماد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة رضي الله عنهم وجوباً بإثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم الثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالى وأثنى رسوله ﷺ عليهم لعمومهم وخصوصهم (إلى قول الشارح) وحقيق على المتدين أن يستصحب لهم ما كانوا عليه في عهد رسول الله ﷺ فإن نقلت هناة فليتدبر العاقل النقل وطريقه فإن ضعف رده وإن ظهر وكان آحاداً لم يقدح فيما تواتر أو شهدت به النصوص.

ترجمہ: اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کا تزکیہ اس طور پر کہ ان میں سے ہر ایک کی عدالت ثابت مانی جائے اور ان میں طعن کرنے سے بچا جائے، واجب ہے اور جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے عام کی اور خاص کی تعریف کی ہے، تعریف کی جائے اور دین دار کے لیے یہ زیبا ہے کہ صحابہ جس حال پر عہد نبوی میں تھے، اسی حال پر آخر تک ان کو باقی رہنے والا اعتقاد کرے، پس اگر کوئی لغزش نقل کی جائے تو عاقل کو چاہیے کہ اس نقل پر غور کرے اگر وہ کمزور ہو (سند وغیرہ ٹھیک نہ ہو) تو ان کو رد کر دے اور اگر ایسا نہ ہو اور روایت آحاد ہو تو بھی متواتر بات میں اور جس چیز کی شاہد نصوص ہیں وہ نقل کوئی قدح پیدا نہیں کر سکتی۔

حافظ ابن حجرؒ نے اصحابہ میں ایک خاص فصل ہی اس مقصد کے لیے منعقد کی ہے، فرماتے ہیں:

الفصل الثالث في بيان حال الصحابة من العدالة، اتفق أهل السنة على أن الجميع عدول ولم يخالف في ذلك إلا شذوذ من المبتدعة.

ترجمہ: ”تیسری فصل صحابہ کی عدالت کے حال میں“ تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ کل صحابی

عادل ہیں اس عقیدہ کی مخالفت سوائے چند بدعتیوں کے کوئی دوسرا نہیں کرتا۔
اس کے بعد آگے چل کر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

قد كان تعظيم الصحابة ولو كان اجتماعهم به ﷺ قليلاً مقررًا عند الخلفاء الراشدين وغيرهم.

ترجمہ: صحابہؓ کی تعظیم اگرچہ ان کی ملاقات آں حضرت ﷺ سے تھوڑی دیر ہی رہی ہو خلفاء راشدین وغیرہم کے نزدیک ایک مقرر اور مانی ہوئی بات تھی۔
پھر حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ نقل کر کے فرماتے ہیں:

وفي ذلك أبين شاهد على أنهم كانوا يعتقدون أن شان الصحبة لا يعدله شيء (ج ۱، ص ۷۷۶)

ترجمہ: اس واقعہ میں کھلا ہوا شاہد موجود ہے کہ حضرت عمرؓ وغیرہ کا اعتقاد یہ تھا کہ صحابیت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے کفایہ ص ۴۱۵ میں محمد بن عبد اللہ بن عمارؒ کا قول نقل کیا ہے:

فإن جميع أصحاب النبي ﷺ كلهم حجة.

ترجمہ: آں حضرت ﷺ کے تمام صحابی حجت ہیں۔

امام محقق کمال الدین ابن الہمام حنفیؒ صاحب فتح القدیر مسامرہ میں اور ان کے شاگرد رشید ابن ابی شریفؒ مسائرہ میں فرماتے ہیں:

واعتماد أهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة رضي الله عنهم وجوباً بإثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن والثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالى. (ص ۱۳)

ترجمہ: اہل سنت و جماعت کا اعتقاد تمام صحابہؓ کو وجوبی و حتمی طور پر عادل اور پاک و صاف ماننا ہے، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک کی عدالت ثابت مانی جائے اور طعن سے پرہیز کیا جائے اور جیسے اللہ نے ان کی تعریف کی ہے، اس طرح تعریف کی جائے۔
ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

ذهب جمهور العلماء إلى أن الصحابة كلهم عدول قبل فتنة عثمان وعلي وكذا بعدها.

ترجمہ: جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ تمام صحابہؓ عدول ہیں فتنہ عہد عثمانی و علوی کے پہلے بھی

اور بعد بھی۔

خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب کفایہ میں ایک باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے:

باب ما جاء في تعديل الله ورسوله للصحابه.

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کا صحابہؓ کو عدول قرار دینے کا باب۔

اس کے ماتحت فرماتے ہیں:

عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم وإخباره عن طهارتهم واختياره لهم.

ترجمہ: صحابہؓ کی عدالت محقق و معلوم ہے اللہ کے عادل قرار دینے سے ان کو اور ان کی پاکیزگی

کی خبر دینے سے اور ان کو اپنے لیے چن لینے کی وجہ سے۔

اس کے بعد چند آیات و احادیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

و جميع ذلك يقتضى القطع بتعديلهم ولا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله له

إلى تعديل أحد من الخلق، على أنه لو لم يرد من الله ورسوله فيهم شيء مما ذكرنا

لأوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة والجهاد ونصرة الإسلام وبذل المهج

والأموال وقتل الآباء والأبناء والمناصرة في الدين وقوة الإيمان واليقين القطع على

تعديلهم والاعتقاد لنزاهتهم وأنهم كافة أفضل من جميع الخالفين بعدهم والمعدلین

الذين يجيئون من بعدهم، هذا مذهب كافة العلماء و من يعتمد قوله... ثم روى

بسندہ إلى أبي زرعة الرازي قال إذا رأيت الرجل ينقص أحدًا من أصحاب رسول الله

ﷺ فأعلم أنه زنديق. (ص ۴۶ تا ۴۹)

ترجمہ: اور یہ تمام دلائل مقتضی ہیں صحابہؓ کو قطعی طور پر عادل قرار دینے کو، ان میں سے کوئی اللہ کی

تعديل کے بعد کسی دوسرے کی تعديل کا محتاج نہیں ہے، اس کے علاوہ اگر بالفرض اللہ اور اس کے

رسول کی طرف سے ان کے حق میں کچھ بھی وارد نہ ہوا ہوتا جب بھی ہجرت، جہاد، نصرة اسلام، جان

و مال سے دریغ نہ کرنا، باپ اور بیٹوں کو اللہ کی راہ میں قتل کرانا، دین میں خیر خواہی، قوت ایمان و یقین

جس کے ساتھ وہ متصف تھے، یہی ان کے قطعی طور پر عادل قرار دینے اور ان کی برائت و پاکی کے

اعتقاد کو کافی ہے اور یہ کہ وہ سب کے سب اپنے بعد کے سب لوگوں سے اور ان معدلین سے جو بعد

میں آئیں گے ان سے افضل ہیں، یہی تمام علماء کا مذہب ہے اور جن کا قول قابل اعتماد ہے، پھر اپنی

سند سے ابو زرعة رازیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کی تنقیص کرتا ہے تو جان لو

کہ وہ زندق (بے دین) ہے۔

صحابہؓ کا مقام بلند

از: حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

اسلام محض چند اصول و نظریات اور علوم و افکار کا مجموعہ نہیں؛ بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظام عمل لے کر چلتا ہے، وہ جہاں زندگی کے ہر شعبے میں اصول و قواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے؛ اس لیے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام) کی علمی و عملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کے علم و عمل کی حامل اور امین ہو۔ حق تعالیٰ نے دین محمدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سرفہرست ہے، ان حضرات نے براہ راست صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من و عن پہنچایا، انھوں نے آپ کے زیر تربیت رہ کر اخلاق و اعمال کو ٹھیک ٹھیک منشاء خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت و کردار کی پاکیزگی حاصل کی، تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہو کر عقائد حقہ اختیار کیے رضائے الہی کے لیے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا، ان کے کسی طرزِ عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی، الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم و تربیت اور تصفیہ و تزکیہ کے لیے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم و مزیں اور استاد و تالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ.

ترجمہ: بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول ان ہی میں سے وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے، ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی، بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔ (پ ۴، آل عمران: ۱۶۴)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی و عملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جا رہی تھی؛ اس لیے ضروری تھا یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لیے قابل اعتماد ہوں؛ چنانچہ قرآن و حدیث میں جا بجا ان کے فضائل مناقب بیان کیے گئے؛ چنانچہ:

(۱) وحی خداوندی نے ان کے تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاق و للہیت کی شہادت دی اور انھیں یہ رتبہ بلند ملا کہ ان کو رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوة و سلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ.

(پ ۲۶، الفتح: ۲۹)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں، وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی۔ ان کی علامت ہے ان کے چہروں میں سجدے کا نشان۔

گویا یہاں محمد رسول اللہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک و شبہ ہو، اسے آپ کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہیے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق و راستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے ع

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

(۲) حضرات صحابہؓ کے ایمان کو ”معیار حق“ قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی؛ بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق و سفاہت کی دائمی مہر ثبت کر دی گئی۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ

السُّفَهَاءَ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ (البقرة: ۱۳)

ترجمہ: اور جب ان (منافقوں) سے کہا جائے ”تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ (صحابہ کرام) ایمان لائے ہیں“ تو جواب میں کہتے ہیں ”کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں؟“ سن رکھو! یہ خود ہی بے قوف ہیں؛ مگر نہیں جانتے۔

(۳) حضرات صحابہ کرام کو بار بار ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ (اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے اسے اتنی شدت و کثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرامؓ کا یہ لقب امت کا تکیہ کلام بن گیا کسی نبی کا اسم گرامی آپ ”علیہ السلام“ کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی رضی اللہ عنہ کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہو سکتا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر ان سے رضامندی کا اظہار کر دیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہیے، کسی اور کے بارے میں تو ظن و تخمین ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؛ مگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو نص قطعی موجود ہے، اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کو بہر صورت ”غلط کار“ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔

اور پھر صرف اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا؛ بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

(۴) حضرات صحابہ کرامؓ کے مسلک کو ”معیاری راستہ“ قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی، جب کہ اس کے سامنے

ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر، ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے اور اسے داخل کریں گے جہنم میں اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے لوٹنے کی۔

آیت میں، المومنین کا اولین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے رضی اللہ عنہم، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرام کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

(۵) اور سب سے آخری بات یہ کہ انھیں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (التحریم: ۸)

ترجمہ: جس دن رسوا نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

اس قسم کی بیسیوں نہیں سیکڑوں آیات میں صحابہ کرام کے فضائل و مناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اگر دین کے سلسلہ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت معاذ اللہ، ناقابل اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق و اعمال میں خرابی نکال لی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ دین کی علمی و عملی تدبیر نہیں کر سکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاتم بدہن۔ رسالت محمدیہ مجروح ہو جاتی ہے۔ دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو، رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ، ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو۔ صحابہ کرام چوں کہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں؛ اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو اس کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرام تھے؛ چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہ کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق و اعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر مال و جاہ کی حرص میں احکام خداوندی سے پہلو تہی کرنے کے الزامات دھرے گئے۔ ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو و انتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ

ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ”معیار“ قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت تھی۔ آمَنُوا کَمَا آمَنَ النَّاسُ (پ۱، البقرہ ۲۴) انہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچادی گئی جن جاں بازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا۔ انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے؛ حالانکہ ان مردانِ خدا کے صدق و امانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی۔

رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (الأحزاب: ۲۳)

ترجمہ: یہ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جان عزیز تک اسی راستہ میں دے دی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم و استقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ وہ صدق و امانت سے موصوف تھے، اخلاص و ایمان کی دولت انہیں نصیب تھی، جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھر بار کو، اپنے عزیز و اقارب کو، اپنے دوست احباب کو، اپنی ہر لذت و آسائش کو، اپنے جذبات و خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص و ہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا و رسول کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا.

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کر لیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرام امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ایمان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لیے آیا تھا ایک قدم آگے نہ چل سکتا؛ مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے۔ علم الہی سے اوجھل نہیں تھے؛ اس لیے اس کا اعلان تھا۔

وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ. (پ۲۸، آیت ۸)

ترجمہ: اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا۔ خواہ کافروں کو یہ ناگوار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرام کا تذکیہ فرمایا۔ ان کی توثیق و تعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لیے یہ اعلان فرمادیا:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ (المجادلة: ۲۲)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے بالخصوص خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضیٰ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے فضائل کی توانہا کر دی، جس کثرت و شدت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے فضائل و مناقب ان کے مزایا (خصوصیت اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انھیں عام افراد امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان حضرات کا تعلق چونکہ براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے؛ اس لیے ان کی محبت عین محبت رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابل معافی جرم فرمایا:

اللَّهُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي، اللَّهُ اللَّهُ فَيَا أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَبِحَبِي أَحْبَبَهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ أَذَاهُمْ فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَذَانِي فَقَدْ أَذَى اللَّهِ وَمَنْ أَذَى اللَّهِ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ.

ترجمہ: اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا؛ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض رکھنے کی بنا پر جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی؛ اس لیے ان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں، ارشاد ہے:

لَا تُسَبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدًّا أَحَدَهُمْ وَلَا نَصِيفَهُ (بخاری، مسلم)

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کو؛ کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے؛ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کوئیں پہنچ سکتا اور اس کے عشر عشر کو۔

مقام صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں؛ بلکہ یہ برملا اس کا اظہار کریں، فرمایا۔
 إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى شَرِّكُمْ (رواہ الترمذی)
 جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انھیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو (ظاہر ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں؛ بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی و نبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرز عمل قرآن کریم کے نصوص قطعیہ اور ارشادات نبوت کے انکار کے مترادف ہے، یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیت منصب نبوت کے عائد کیے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور صحابہ کرامؓ کا تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انھیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپؐ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ (نعوذ باللہ مِنَ الْغَوَايَةِ وَالسَّفَاهَةِ) چنانچہ اہل ہوا کی بڑی جماعت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ”بدا“ ہے یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہو جاتا ہے جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا؟

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انھیں مورد الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا؛ بلکہ خدا اور رسول، کتاب و سنت اور پورا دین اس کی پلیٹ میں آ جاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ بعید نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کیا گیا ہے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

من اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذى الله ومن اذى الله فيوشك ان ياخذَه.
 جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا

دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرق باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت رہا ہے۔ تمام اہل حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ
وَنَكُفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ إِلَّا بِخَيْرٍ.

اور ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرامؓ کا ”ذکر بالخیر“ ہے جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو ان کو مورد الزام قرار دیتا ہو اور ان پر سنگین اتہامات کی فرد جرم عائد کرتا ہو وہ اہل حق میں شامل نہیں ہے۔ اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم و زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں۔ حق تعالیٰ جل ذکرہ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زلغ و ضلال سے محفوظ فرمائے اور اتباع حق کی توفیق بخشے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ
وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ أَجْمَعِينَ. آمِينَ.



صحابہ کرامؓ عقل و بصیرت کی روشنی میں

از: مولانا قاری عبدالعزیز صاحب شوقی رحمہ اللہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوزیشن عام معمولی انسانوں کی سی نہیں، ان کو ہم بلا مبالغہ صاحب رسالت و نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۲۳ سالہ شبانہ روز کی جدوجہد کا روشن ترین اور کامیاب ماحصل سمجھتے ہیں۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے لیے دلائل و شواہد پیش کرنے کی ضرورت ہو تو ہم بلا ریب اصحابؓ پاک کو پیش کر سکتے ہیں۔

(۱) سوچنے کی بات ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیغام اور تعلیم اپنے رب سے حاصل کی، اگر انھوں نے اس کو چھپا کر اپنے ہی تک محدود رکھا تو یقین کیجیے کہ اس صورت میں مقصد نبوت پورا نہیں ہو پاتا اور اگر آپؐ نے بَلَّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (پہنچا دیجیے! جو کچھ بھی آپؐ کے رب کی طرف سے اتارا جائے) کے حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے سب کچھ پہنچا دیا؛ لیکن اس پہنچائی چیز پر محدودے چند حضرات کے سوا کوئی کار بند نہیں ہوا گویا کہ باقی سب حضرات (نعوذ باللہ) مُرتد اور منافق ہی تھے، تو اس صورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کامیاب نبی نہیں کہا جاسکتا۔

مختلف انبیاء علیہم السلام مختلف قوموں کی طرف بھیجے گئے اُن میں سے بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جن کو کوئی صحابی نہیں کہ اُن پر ایمان کوئی لایا ہی نہیں تھا اور بہت سے پیغمبر ایسے ہیں کہ اُن کے صحابیوں یا حواریوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ اس کو انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے۔ ایک صرف موسیٰ علیہ السلام ایسے نبی ہیں جن کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ تھی؛ لیکن خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ان ماننے والوں کی حرکات سے زندگی بھر تنگ رہے؛ اس لیے ان کے اصحاب کا شمار بھی بہت کم ہے۔

جس طرح خاتم النبیین اور سید الانبیاء ہونے کا فخر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اسی طرح آپ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقصد میں تمام نبیوں سے بڑھ کر کامیاب ہیں، یہ خصوصیت آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں اپنے مشن کو خود پھلتے پھولتے دیکھ لیا۔

آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو اس حالت میں کہ آپ کے پیغام کو آباد دنیا کے انتہائی کناروں تک پہنچانے کے لیے پانچ، سات افراد نہیں لاکھوں جاں نثار موجود تھے اور پھر تاریخ کے روشن صفحات شاہد ہیں کہ ان جاں نثاروں نے اپنے نبی کے پیغام کو وہاں تک پہنچا کر دم لیا جہاں تک (اس زمانہ کے مطابق) عقل انسانی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ صاحب رسالت اور مقصد رسالت کے ایسے جفاکوش اور مستعد دیوانوں کو صحابیت تو کیا، مومنیت کے مقام سے بھی خارج کر دینا انھیں لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو افلاس خرد کے اسیر اور نقصان فہم کے مریض ہیں۔

(۲) کوئی اُستاد اور معلم بہترین اور کامیاب معلم اُسی وقت کہلا سکتا ہے جب کہ اس کے تلامذہ لائق اور ہونہار بھی ہوں اور اُن کی تعداد بھی کثیر ہو شاگردوں کی لیاقت و قابلیت اکثر و بیشتر اُستاد کی لیاقت و قابلیت کا پُر تو ہوتی ہے۔ اگر اُستاد میں کوئی جوہر نہ ہو تو شاگرد میں کسی کمال کی جھلک کا نمودار ہونا ممکن نہیں ہے۔ نیز کسی اُستاد کے شاگرد کثیر تعداد میں ہیں تو یہ اس کے فیضان کی عمومیت کا نشان ہوگا۔ شاگردوں کی قلت اس بات کی دلیل ہوگی کہ اُستاد کا فیض وسیع نہیں محدود ہے۔ ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اُستاد کی قابلیت اور کمال کے ناپنے کا معتبر پیمانہ شاگردوں کے سوا اور کوئی نہیں، جس اُستاد کے شاگرد عام طور پر یا اکثریت کی صورت میں لائق ثابت ہوتے ہوں وہ استاد یقیناً با کمال ہے اور اپنے مشن میں کامیاب ہے؛ لیکن جس کے شاگرد اکثر طور پر نالائق ثابت ہوں ایسے شخص کو با کمال اور کامیاب استادوں کی فہرست میں ہرگز نہیں رکھا جاسکتا۔ جب آپ اسے تسلیم کرتے ہیں تو اب اصل بات کی طرف آئیے۔

انبیاء علیہم السلام بھی اپنے اپنے وقت میں اپنی قوموں اور آبادیوں کے استاد تھے، اللہ نے ان کے ذمہ ضروری قرار دیا تھا کہ وہ لوگوں کو احکام الہی کی تعلیم دیں۔ سب سے آخری اور سب سے بڑھ کر معلم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صحابہ کرام آپ کے شاگرد ہیں اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ آپ جیسے اُستاد کے تمام تلامذہ ہونہار، لائق اور ہدایت یافتہ تھے اور پھر اُن کی تعداد بھی تقریباً سوالا کھتی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ آپ کا فیضان عام سے عام تر تھا۔

حاصل یہ کہ صحابہ کرامؓ کی تعداد کا کثیر ہونا اور اُن کا مشہدی و مہدی ہونا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال معلمیت اور عموم فیضان کی دلیل ہے اور جو شخص آپ کے اس وصف کا منکر ہے وہ رسالت کا منکر ہے۔

اب اُن لوگوں کی بات پر بھی ذرا غور کر لیں جن کو صحابہ کرامؓ کی دشمنی کا وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم اکمل ہونے سے تو وہ بھی انکار نہیں کر سکتے؛ لیکن یہ عجیب تماشا ہے کہ ثبوت کمال کی جو صورت ہے اس سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ شاگرد تو آپ کے سارے ہی صحابہ ہو گئے تھے لیکن آپ کے وصال کے بعد سب آپ کی تعلیم سے پھر گئے، صرف پانچ سات افراد اصل تعلیم پر باقی رہے۔ ان لوگوں کی سمجھ پر افسوس بھی ہے اور حیرت بھی۔ کیا نبی کی تعلیم بھی کوئی مداری کا جادو ہے کہ جیسے جادوگر کے مرتے ہی اس کا جادو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح نبی کے وصال فرماتے ہی تعلیم نبوی کا اثر بھی ختم ہو گیا۔ ایک معمولی دنیا دار استاد تو اپنے خیالات اپنے شاگردوں میں ایسے راسخ کر دے کہ اس کے مرنے کے بعد شاگرد اسی ڈگری پر قائم رہیں اور استاد کے خیالات کو عملی جامہ پہنچائیں؛ لیکن نبی صرف نبی نہیں؛ بلکہ خاتم النبیین کے تلامذہ آپ کے وصال کے فوراً بعد آپ کا سبق بھلا دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا آپ کی ذات گرامی اس قدر معمولی قوت تاثیر سے بھی خالی تھی؟ (استغفر اللہ)

پھر تقریباً سو لاکھ افراد میں سے چند گنے چنے افراد تو لائق شاگرد ثابت ہوں اور باقی سب نالائق۔ کیا دنیا جہان کی قدیم و جدید تاریخ میں کوئی ایسا ”شاندار“ ریکارڈ دکھایا جاسکتا ہے؟ یا اس ذلت کے الزام کے لیے اللہ کے حبیب کے سوا ان مہربانوں کو اور کوئی ملا ہی نہیں؟ پھر جس استاد کے اس قدر لاکھوں شاگرد ناکارہ ہوں اُن میں چند کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے، ان کے لائق ہونے کی کیا ضمانت ہے؟ ممکن ہے ان لاکھوں کی طرح یہ چند شاگرد بھی امتحان میں فیل ہوں، بہر حال ”معصوم“ نظر والوں کو سوچنا چاہیے کہ استاد و شاگرد اور رسول و اصحاب میں فرق پیدا کر کے انھوں نے نوبت کہاں تک پہنچائی ہے؟ کہ ایک کی عداوت دوسرے کے انکار کا باعث بنی جا رہی ہے۔ ہاں اگر درپردہ مقصد ہی یہ ہو کہ رسالت کا انکار کر دیا جائے (جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے) تو پھر کوئی بحث ہے نہ شکایت۔

(۳) ایک مصلح کا کمال یہ ہے کہ جو لوگ اس کے حلقہ تربیت میں آجائیں اُن میں اس کی اصلاح کا اثر کامل طور پر موجود ہو، اگر اصلاح کا اثر کسی مصلح کے گرد جمع ہو جانے والوں میں قطعاً نہ پایا

جائے یا اثر موجود تو ہو؛ لیکن دیر پا نہ ہو تو ایسے شخص کو مصلح شاید کہہ لیا جائے؛ لیکن اس کو باکمال مصلح نہیں کہا جاسکتا۔

ہمارا ایمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے مکمل ترین مصلح ہیں، قیامت تک اس امت میں اصلاح کے جس قدر بھی سلسلے پائے جائیں گے اُن سب کا مرکز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور جس طرح اللہ رب العزت نے آپ کو تمام دیگر کمالات سے پورے طور پر عنایت فرمایا۔ اب اگر حقائق سے آنکھیں بند کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ مصلحت کا پُر تو صرف معدودے چند حضرات پر پڑا باقی تمام حضرات محروم ہی رہے یا اس سے متاثر ہی نہیں ہوئے، تو کوئی انصاف والا اگر موجود ہے تو بتائے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلحانہ کمالات کی تعظیم ہے یا تنقیص؟

اس دور میں اگر کوئی آپ کا پیرو و اصلاح و تجدید کا جذبہ لے کر اٹھتا ہے اور چند ہی روز میں اپنی مخلصانہ جدوجہد سے لاکھوں انسانوں کی کایا پلٹ کر دیتا ہے تو اس کے اثرات بھی برسوں نہیں صدیوں تک فنا نہیں ہوتے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ فیض ہوتا ہے آقائے مدنی کی اطاعت و اتباع کا، تو خود سرکارِ مدینہ کے مصلحانہ کمالات کا اثر اور نتیجہ کیا ہونا چاہیے؟ لوگ کہنے کو تو ایک بات منہ سے نکال دیتے ہیں؛ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے اور اس کا اثر کہاں کہاں تک پہنچے گا؟ کسی قدر بھی عمیق نظر سے کام لیا جائے تو یہ بات صاف طور پر واضح ہو جائے گی کہ صحابہ کرامؓ کی عداوت اور ان کے انکارِ ایمان کے پردہ میں اعتقادِ رسالت کی بنیادیں متزلزل ہیں۔ جس شخص کو رسالت و نبوت پر اعتماد ہو وہ صحابہ کرامؓ کی عقیدت سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔



حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن و سنت کی نظر میں

از: مولانا توحید عالم قاسمی، بجنوری

استاذ دارالعلوم دیوبند

خلاصہ کائنات، فخرِ موجودات، باعثِ گن فکان، محبوب رب دو جہاں، سید انس و جن، سرورِ کونین، تاجدارِ عرب و عجم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درس گاہ کے بلا واسطہ اور براہِ راست شاگرد، مسجدِ نبوی کے تربیت یافتہ، وحی ربانی قرآن مقدس کے اولین مخاطب حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ مقدس و پاکیزہ جماعت ہے جو اپنی بے شمار اور ان گنت خصوصیات اور فضائل و مناقب میں تمام سابقہ و لاحقہ اقوام و اُمم میں بے نظیر اور فقید المثال ہے نہ اولین میں اس برگزیدہ طبقہ کی نظیر و مثال ہے اور نہ آخرین میں کوئی قوم و امت اس جماعت کے ہم رتبہ ہو سکتی ہے، یہی وہ طبقہ ہے جو زمانہ جاہلیت (قبل ایمان) میں اگرچہ معاصی اور گناہوں میں مبتلا تھے؛ لیکن ایمان قبول کرنے اور ہدایت خداوندی سے مستفیض ہونے کے بعد رحمان و رحیم اور پروردگارِ عالم سے اتنے قریب ہو گئے کہ مردودِ شیطان دیکھتے ہی دُما کر بھاگ جاتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا وہ مقدس گروہ قرآن و سنت، مذہب و شریعت اور تہذیب و تمدن کا رنگ قبول کرنے والا اور اپنی تمام تر سابقہ بے ڈھنگی روش اور طور طریقوں کو یکسر چھوڑ کر رحمانی زندگی اور سیرتِ نبوی کی ایسی جیتی جاگتی تصویر بن گیا کہ کہنے والا کہنے پر مجبور ہو گیا کہ

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

اور خود کائنات کا پالنہ ہاران کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے، دنیاوی زندگی اور حیاتِ فانی ہی میں اپنی رضامندی اور ان کی مغفرت کا اعلان کرتا ہے۔ اپنے خاص مقامِ رحمت جنت کی بشارت و خوش خبری سناتا ہے، رشاد باری ہے: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (۱) اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو گیا

اور وہ اللہ سے، دوسرے مقام پر ان کے ہدایت یافتہ اور بامراد ہونے کو یوں بیان فرماتا ہے، اُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۲) ایک موقع پر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کی قبولیت کو اور پھر ان کے ایمان کو معیار اور کسوٹی کا درجہ دیتے ہوئے ارشاد ہے: امِنُوا كَمَا امِنَ النَّاسُ (۳) ایمان قبول کرو جیسا کہ لوگوں نے ایمان قبول کیا، اور کبھی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی ربط و تعلق اور محبت والفت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۴) وہ باہم نہایت مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب تقویٰ و طہارت میں نہایت مزگی و مصفیٰ تھے، اسی کو قرآن یوں بیان کرتا ہے: اُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لَلْتَقْوَىٰ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۵) وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے۔ ان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا اور دشمنانِ اسلام اور کفار و مشرکین کے مقابلے میں ان کی مضبوطی اور طاقت کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (۶) زور آور ہیں کافروں پر۔ معصیت و گناہ سے اس گروہ کی نفرت و کراہت کو کلام پاک ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ اُولَئِكَ هُمُ الرِّشْدُونَ (۷) اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر۔

اور شارح قرآن کریم، مبین مراد خداوندی، مہبط وحی حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے بھی صادق و مصدوق ارشادات اور فرمودات میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب اور ان ذواتِ قدسی صفات کی تعریف و توصیف خوب خوب بیان فرمائی ہے۔ خلیفہ ثانی فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اَكْرَمُوا اصْحَابِي فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ الخ (۸) میرے صحابہؓ کا اعزاز و اکرام کرو کیوں کہ وہ تم سے بہتر ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے۔ دوسری روایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَمَسَّ النَّارُ مُسْلِمًا رَانِي أَوْ رَأَى مِنْ رَانِي (۹) آگ اس شخص کو نہ چھو پائے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے صحابی کو دیکھا ہوگا۔ ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسْبُونُ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى شَرِّكُمْ (۱۰) جب ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے ساتھیوں کو برا بھلا کہہ رہے ہوں تو یوں کہو کہ اللہ کی لعنت تمہارے شر پر۔ اسی طرح ایک روایت حضرت ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تسبوا اصحابی فلو انَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مَدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ (۱۱) تم لوگ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو! کیوں کہ (وہ تم سے بہت افضل ہیں) اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تب بھی وہ ان کے ایک مد یا نصف مد کو نہیں پہنچ پائے گا۔ ایک روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حَصِينٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يُلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يُلُونَهُمُ الْخ (۱۲) میری امت میں سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے لوگ پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے۔

قارئین گرامی قدر! قرآن و سنت سے ثابت ان تمام فضائل و مناقب اور خصوصیات کے باوجود دشمنانِ خدا اسلام اور مسلمانوں سے حسد رکھنے والے بالخصوص یہود و نصاریٰ کو جب اسلام کی ہمہ جہت ترقی اور اہل اسلام کا عروج ہضم نہ ہو سکا اور ان شیطان کے چیلوں، خدائی دشمنوں کو سونی صدیقین تھا کہ اسلام کی صداقت و حقانیت، عالم گیر حیثیت اور غلبہ کے سامنے باطل کے لیے ٹھہرنا ممکن نہیں ہے؛ لہذا مذہب اسلام اور مسلمانوں میں کم زوری اور ضعف پیدا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے ان میں افتراق و تشتت پیدا کرنا، ان میں غلط فہمیاں پیدا کر کے خلفشار و انتشار پیدا کرنا؛ لہذا یہودی شاطروں نے مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کر کے اپنے شیطانی مشن میں کامیابی حاصل کی اور اپنی مسلسل ناکامیوں اور شکستوں کا بدلہ بھی لے لیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تلفیوں، مظلومیت اور محرومیوں کی جھوٹی سچی داستانیں سنا سنا کر مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے، مزید کام منافقین نے جھوٹے پروپیگنڈے کا وہ چکر چلایا کہ سادہ دل مسلمان بھی ان کے جال میں پھنس گئے یہیں سے افتراق و انتشار کے دہانے کھل گئے۔

چنانچہ مسلمانوں میں فرقے بننے لگے کوئی فرقہ محبت آل بیت میں غلو کا مرتکب ہے تو کوئی حضراتِ صحابہ پر زبانِ لعن و طعن دراز کرتا نظر آتا ہے، کوئی حضراتِ پیغمبر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو غاصب خلافت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل گردانتا ہے کوئی دوسرا حضرت علی کو خارج از اسلام قرار دیتا ہے، اسی طرح ان کے باہمی مشاجرات اور اختلافات کے حوالے سے بھی بہت سے حضرات افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقانیت کو بیان کرتے کرتے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص و توہین پر اتر آتا ہے العیاذ باللہ، تو مد مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائت کرتے کرتے یزید بن معاویہ کو صحابہ پر فضیلت دیتا نظر آتا ہے۔

العیاذ باللہ۔ وغیرہ وغیرہ جب کہ خود حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام حسن سلوک، باہمی تعاون، خانگی مراسم، نسبی تعلقات اور امور خلافت میں بھرپور ایک دوسرے کے معاون و مددگار تھے۔

لہذا مذہب اسلام اور قرآن و سنت کے ماننے والوں کو اس حوالے سے قرآن و سنت ہی کو بڑی مضبوطی سے تھامنے کی ضرورت ہے کہ جو داستانیں اور موضوع روایات قرآن و سنت کے خلاف یا معارض سامنے آئیں ان کو رد کرنا چاہیے اور جو روایات اور واقعات قرآن و سنت کے موافق ہوں ان کو لینا چاہیے، قرآن و سنت سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے جو اوصاف ثابت ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں: (۱) حضرات صحابہ معصوم تو نہیں ہیں؛ لیکن محفوظ ضرور ہیں، (۲) حضرات صحابہ خوفِ خدا اور تقویٰ والے تھے، (۳) حضرات صحابہ قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھامنے والے تھے، (۴) حضرات صحابہ دینی و دنیاوی امور میں امانت دار تھے، خیانت کا تصور بھی گناہ سمجھتے تھے، (۵) حضرات صحابہ باہم شیر و شکر رحما رہیں کی واضح تصویر تھے، (۶) دنیاوی نفع و نقصان سے قطع نظر عدل و انصاف کے خوگر تھے، (۷) حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل و اولاد سے حد درجہ محبت و الفت کو فلاح دارین تصور کرتے تھے، (۸) حضرات صحابہ کے درمیان آراء کا اختلاف اجتہادی شان فرض منصبی اور نصب العین سمجھتے تھے، (۹) حضرات صحابہ بالاتفاق و حیثیت کا تھا مخالفت و عداوت کی رسائی ان کے قلوب تک نہ تھی، (۱۰) حضرات صحابہ بالاتفاق خلافت کی تقسیم من جانب اللہ تسلیم کرتے تھے۔ اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا، (۱۱) حضرات صحابہ معیار حق تھے۔

محترم قارئین! حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مذکور بالا اوصاف قرآن و سنت سے ثابت ہیں، صراحۃً یا دلالتاً۔ قرآن و سنت کا علم رکھنے والا کوئی شخص ان کا انکار نہیں کر سکتا؛ لہذا جب بھی جو روایات یا واقعات ان ارواح مقدسہ کے حوالے سے سامنے آئیں اگر وہ درج بالا اوصاف سے ہم آہنگ ہوں گی تو تسلیم کی جائیں گی اور اگر ان اوصاف سے متصادم اور مخالف ہوں گی تو وہ دشمنوں کی شاطرانہ چال اور دجل و فریب کا شاخسانہ ہوں گی، پس ان سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شہادتیں ان برگزیدہ شخصیات کے لیے دی ہیں وہ کسی صورت بھی جھوٹی نہیں ہو سکتیں؛ بلکہ یقیناً ان مقابل آنے والے واقعات اور روایات ہی من گھڑت اور جھوٹی ہوں گی۔ خود محبوب کبریا حضرت نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا احساس کرتے ہوئے فرمایا تھا: عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال:

سَيَاتِيَكُمْ عَنِّي أَحَادِيثٌ مُخْتَلِفَةٌ فَمَا جَاءَكُمْ مُوَافِقًا لِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّتِي فَهُوَ مِنِّي وَمَا جَاءَكُمْ مُخَالَفًا لِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (۱۳) غنقریب تمہارے پاس میری جانب منسوب شدہ مختلف روایات پہنچیں گی جو کتاب اللہ اور میری سنت (مشہورہ) کے موافق اور مطابق ہوں تو وہ درست ہوں گی اور جو کتاب اللہ اور میری سنت کے معارض ہوں گی تو وہ صحیح نہیں ہوں گی۔

اسی اصل کو خلیفہ رابع حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ عَنِ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ وَدَعُوا مَا يُنْكِرُونَ أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكْذَبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۱۴) معروف مشہور چیزیں بیان کرو اور منکر یعنی مشہور و معروف کے خلاف عوام میں ذکر نہ کرو! کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔

امام ذہبیؒ مذکورہ اصول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فَقَدْ زَجَرَ الْإِمَامُ عَلِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَوَايَةِ الْمُنْكَرِ وَحَثَّ عَلَى التَّحْدِيثِ بِالْمَشْهُورِ وَهَذَا أَصْلٌ كَبِيرٌ فِي الْكَفِّ عَنِ بَثِّ الْأَشْيَاءِ الْوَاهِيَةِ وَالْمُنْكَرَةِ مِنَ الْأَحَادِيثِ فِي الْفَضَائِلِ وَالْعَفَائِدِ وَالرَّقَائِقِ (۱۵)۔

ہمارے امام و مقتدی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہمیں شاذ و منکر روایات کے بیان کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے اور مشہور و معروف چیزوں کے بیان کرنے میں رغبت دلائی ہے اور بے سرو پا اور بے اصل روایات کے پھیلانے اور تشہیر کرنے سے روکنے کے لیے یہ ایک اہم اصول ہے یہ روایات خواہ عقائد سے تعلق رکھتی ہوں یا فضائل و ترغیبات سے متعلق ہوں۔



حواشی

- | | |
|---|---|
| (۱) سورة البينة/۸۔ | (۲) سورة البقرة/۵۔ |
| (۳) سورة البقرة/۱۲۔ | (۴) سورة الفتح/۲۹۔ |
| (۵) سورة الحجرات/۵۔ | (۶) سورة الفتح/۲۹۔ |
| (۷) سورة الحجرات/۷۔ | (۸) سنن نسائی بحوالہ مشکاة المصابیح/۵۵۴۔ |
| (۹) سنن ترمذی بحوالہ مشکاة المصابیح/۵۵۴۔ | (۱۰) سنن ترمذی بحوالہ مشکاة المصابیح/۵۵۴۔ |
| (۱۱) متفق علیہ بحوالہ مشکاة المصابیح/۵۵۳۔ | (۱۲) متفق علیہ بحوالہ مشکاة المصابیح/۵۵۳۔ |
| (۱۳) الکفایہ فی علم الروایة للبغدادی/۴۳۰۔ | (۱۴) تذکرة الحفاظ للذهبی، ج ۱، ص ۱۲۔ |
| (۱۵) تذکرة الحفاظ للذهبی، ج ۱، ص ۱۲۔ | |



سلام بحضور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

إِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (پ ۷ سورة الانعام آیت ۵۴)
(ترجمہ) جب تیرے پاس وہ آئیں جو ایمان لائے ہیں ہماری باتوں پر، تو ان پر سلام کہہ دے

از: جناب خان محمد کمر
پہلاں ضلع میانوالی

سید کوئین تیرے جاں نثاروں کو سلام یعنی گردونِ نبوت کے ستاروں کو سلام
انبیاء کے بعد شہرہ ہے انھیں کے نام کا جن کی ہمت سے پھلا پھولا چمن اسلام کا
اُن حجازی غازیوں کو شہسواروں کو سلام
جن کی ہیبت سے لرزتے کفر کے ایوان تھے جن سے لرزاں شام و روم و فارس و ایران تھا
اُن خلافتِ راشدہ کے تاجداروں کو سلام
جن کا حملہ دشمنوں کو موت کا پیغام تھا اس زمیں پر کفر جن سے لرزہ بر اندام تھا
حق کی خوشنودی کے مخلص خواستگاروں کو سلام
جب کہیں باطل سے ٹکراتے تھے حق کے پاسبان حق پرستوں کے تماشے دیکھتا تھا آسمان
اُن کی تیغوں کی چمکتی تیز دھاروں کو سلام
ان کی کوشش سے ہمیں قرآن کی دولت ملی ان کی ہمت سے رسول اللہ کی سنت ملی
اُن رسولِ ہاشمی کے رازداروں کو سلام
ان میں صدیق و عمر کی امتیازی شان ہے سو گئے اُس گھر میں جس پر خلد بھی قربان ہے
گنبدِ خضریٰ کی رونق کو بہاروں کو سلام
ہر قدم اُن کا خدا کے حکم کی تعمیل تھی اُن کے ہر قول و عمل میں دین کی تکمیل تھی
دعوتِ دینِ الہ کے شاہکاروں کو سلام
دین کی خاطر نہ کمتر فکر مال و جان کی ان صحابہ کی محبت جزو ہے ایمان کی
رحمۃ للعالمین کے پاسداروں کو سلام

اصلاح معاشرہ کی کوششیں نا کام اور بے اثر کیوں؟ (اسباب و وجوہات کا جائزہ) (۲/۲)

از: مفتی توقیر عالم قاسمی
مدرسہ اشرف العلوم بردوان مغربی بنگال

مقرر ضرورتِ وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے خطاب کرے
مقرر اور خطیب کو چاہیے کہ ضرورتِ وقت اور معاشرے میں پھیلی ہوئی خرابی کی طرف نظر رکھتے ہوئے خطاب اور بیان کرے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ”علماء کا دستور العمل“ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:
خطاب میں علماء ضرورتِ وقت کا لحاظ رکھیں، جن امور میں لوگ اس زمانے میں مبتلا ہوں، یا جن ضروریات میں فروگزاشت کرتے ہوں، مدارِ بیان اس پر رکھے، دوسرے مضامین اگر ہوں تو بالتبع اور بقتل ہوں۔ اور یہ ضروری مضامین جمع ابواب کے ہوں، صرف عقائد و دیانات پر اقتصار نہ کرے، بلکہ معاملات و معاشرت و اخلاق سے بھی مشیع (سیر حاصل) بحث کرے، بلکہ بوجہ متروک ہونے کے یہ ثلاثہ اخیرہ زیادہ اہم ہو گئے ہیں۔ اور وعظ میں بات صاف کہے کہ سننے والوں کو سمجھ میں خوب آجائے۔ مگر خشونت اور اشتعال انگیز طرز سے بچے۔ (اصلاح انقلاب امت: ۲۲/۱)
لہذا تقریر میں ایسا طرز اپنانا، اور ایسے مضامین اور قصص و واقعات کا انتخاب کرنا جس سے مقصد محض واہ و اہی اور تفریح طبع ہو، عمل سے اس کا تعلق نہ ہو، یا اس میں عبرت و نصیحت کا پہلو بھی نہ ہو، مقصدِ وعظ کے منافی ہے۔

اجلاس کا تیسرا عنصر اور حصہ سامعین

جو حضرات اجلاس اور اصلاحی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں اور وعظ و تقریر سنتے ہیں، وعظ و تقریر سننے سے ان کی نیت کیا ہو؟۔

مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

”وعظ ایک روحانی مطب ہے، یعنی باطنی اصلاح کی تدبیروں کا نام وعظ و تقریر ہے، جس سے باطنی امراض کا علاج ہوتا ہے، وعظ سننے والے وعظ سننے سے پہلے اپنی نسبت یہ سمجھ لیں کہ وہ بیماریوں میں مبتلا ہے، وعظ سے ان کا علاج بتایا جا رہا ہے، لہذا اس کی تدبیریں سن کر حالت درست کر لینے کا عزم کر لیا جائے۔“ (اصلاح النساء، ص: ۱۲۴)

تقریر سننے سے لوگوں کی غرضیں مختلف ہوتی ہیں: آگے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

(۱) بعض کی غرض محض ادائے رسم ہوتی ہے، جیسے بہت سے کام دن رات ہوتے ہیں ایسے یہ

بھی ایک کر لیا۔

(۲) بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وعظ ایک برکت ہے، اس سے برکت حاصل ہو جائے گی۔

(۳) بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شریک ہو کر اتنی دیر گناہوں سے بچا رہے گا اور ثواب لکھا جائے گا۔

اول نیت صحیح نہیں ہے، بعد کی دو نیتیں دین کی ضرورت ہیں۔ (حوالہ سابق)

سیرت طیبہ اور اصلاح معاشرہ کے جلسے میں شرکت کرنے والے سامعین کی نیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح مقصد، صحیح نیت اور صحیح جذبے سے سنتا اور سناتا ہے تو یہ کام بلاشبہ عظیم الشان ثواب کا کام ہے اور باعث خیر و برکت ہے اور زندگی میں انقلاب لانے کا موجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص سیرت طیبہ کو صحیح نیت سے نہیں سنتا اور صحیح نیت سے نہیں سناتا ہے، بلکہ اس کے ذریعے کچھ اور اغراض و مقاصد دل میں چھپے ہوئے ہیں جن کے تحت سیرت طیبہ کے جلسے اور محفلیں منعقد کی جا رہی ہیں تو بھائیو! یہ بیٹ بڑے گھائے کا سودا ہے، اس لیے کہ ظاہر میں تو نظر آ رہا ہے کہ آپ بہت نیک کام کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ الٹا گناہ کا سبب بن رہا ہے اور اللہ کے عذاب اور عتاب کا سبب بن رہا ہے۔ (اصلاحی خطبات: ۱۳۵/۲)

وعظ و تقریر سننے کے آداب

صحیح العقیدہ خطیب اور واعظ کی تقریر اور وعظ سننا چاہیے، اس بارے میں بھی بے احتیاطی عام ہوتی جا رہی ہے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عوامی دلچسپی کے لیے، سامعین کے مجمع کی کثرت کے لیے، یا جلسہ گاہ میں فراہمی چندہ کی کثرت کے مد نظر ایسے مقرر کو مدعو کیا جاتا ہے جس کے عقائد بھی صحیح نہیں ہوتے ہیں، بلکہ بعض مرتبہ وہ مستند عالم بھی نہیں ہوتا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”لوگ ہر قسم کے واعظوں کا وعظ سن لیتے ہیں، اس کے مفاسد ہیں، لہذا جب کوئی واعظ جدید آئے، اپنے شہر یا قریب کے کسی عالم معتبر سے اس واعظ کی حالت پوچھ لے، اگر وہ اطمینان دلا دے تو وعظ سنے، ورنہ نہ سنے؛ کیوں کہ بعض واعظ جاہل ہوتے ہیں اور بعض بد مذہب، اور ان میں بعض اپنے مدعا ذہن میں جمادینے میں ملکہ رکھتے ہیں، اور بعض ایسے چالاک ہوتے ہیں کہ اول اول مخاطبین کے موافق کہتے ہیں، پھر بعد مناسبت و موانست اپنے مسلک کی دعوت شروع کرتے ہیں، بقول مولانا رومی:

زانکہ صیاد آورد بانگ صغیر
تا کہ گیرد مرغ را آں مرغ گیر

شکاری سیٹی کی آواز نکالتا ہے۔ تاکہ وہ پرندہ کو پکڑے۔

اور اگر باوجود احتیاط کے کوئی بات مشتبہ کان میں پڑ جائے تو علماء محققین سے اس کی تحقیق

کر لے۔ (اصلاح انقلاب امت: ۳۲/۱: ۳۳)

جلسہ سننے والوں کی نیتیں مختلف ہوتی ہیں

(۱) بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر شرکت نہیں کریں گے تو محفل منعقد کرنے والے ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور ان کے دل میں شکوہ و شکایت پیدا ہو جائے گی۔ اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں ہے، محفل منعقد کرنے والوں کو راضی کرنے کی فکر ہے۔

(۲) مقرر کا جوش دیکھنا مقصود: کوئی شخص اس لیے جلسے میں شرکت کر رہا ہے کہ اس میں فلاں مقرر صاحب تقریر کریں گے، ذرا جا کر دیکھیں گے کہ وہ کیسی تقریر کرتے ہیں، سنا ہے بڑے شاندار اور جوشیلے مقرر ہیں، بڑی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں، گویا کہ تقریر کا مزہ لینے کے لیے جا رہے ہیں کہ فلاں کیسے گا گا کر شعر پڑھ رہا ہے، کتنے واقعات سناتا ہے۔

(۳) وقت گزاری کی نیت: کچھ لوگ اس لیے سیرت النبی کے جلسے میں شرکت کرتے ہیں کہ چلو آج اور کوئی کام نہیں ہے، کسی جلسے میں جا کر بیٹھ جاؤ تو وقت گزر جائے گا، لہذا مقصد یہ نہیں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو حاصل کیا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ کچھ وقت گزاری کا سامان ہو جائے، حالاں کہ نیت یہ ہونی چاہیے کہ میں سیرت النبی کو سن کر عمل پیرا ہوں گا۔

جلسے میں مرد و عورت کا مخلوط اجتماع

سیرت طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والی محفلوں میں عین محفل کے دوران ہم ایسے کام کرتے ہیں

جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، سرکارِ دو عالم کا نام لیا جا رہا ہے، آپ کی تعلیمات اور سنتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں اور ہدایات کا مذاق اڑا رہے ہیں، جیسے عورتیں اور مرد مخلوط اجتماع میں شریک ہوتے ہیں، پوری آرائش و زیبائش کے ساتھ سچ دھج کر، بے پردہ ہو کر خواتین شریک ہو رہی ہیں، اور جلسہ گاہ کے آس پاس بے محابا ادھر ادھر پھرتی رہتی ہیں اور مرد بھی ساتھ ہوتے ہیں۔

سیرت کے جلسے میں نمازیں قضا

سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات ہو رہے ہیں اور ان اجتماعات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور غضب بالائے غضب یہ ہے کہ آج کے دور میں کثرت سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ عام طور پر جن اجلاس کے منتظمین عوام الناس اور نوجوانان ہوتے ہیں اور اصلاح معاشرہ کا جلسہ کرانے کے لیے رات دن ایک کر کے انتھک محنت اور کوشش کرتے ہیں، ان میں سے اکثر کی زندگی میں نہ دین ہے، نہ دین داری، نہ نماز، ایک وقت کی نماز تک نہیں پڑھتے، (الامان والحفیظ) ایسے جلسے سے کیا فائدہ مرتب ہوگا اور اس سے معاشرے میں کیا سدھار آئے گا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جس شخص کی ایک عصر کی نماز فوت ہوگئی اس کے تمام مال اور تمام اہل و عیال لوٹ لیے گئے۔ اتنا عظیم نقصان ہے اور اور جلسے کے انتظامات میں نمازیں فوت ہو رہی ہیں۔

ہمارے علاقے میں ایک عام چلن اور رواج یہ بھی ہے کہ رات کے دو دو، تین تین، چار چار، بجے تک جلسے کا پروگرام چلتا رہتا ہے، اس کے بعد فجر کی نماز غائب ہو رہی ہے، کیا جلسہ سن کر نماز معاف ہو جائے گی؟ - نعوذ باللہ

حقیقت یہ ہے کہ آج جلسہ ایک نمائش اور رسم بن کر رہ گیا ہے، اسی وجہ سے جلسہ سننے والے ایسی تقریریں سننا پسند کرتے ہیں جن کا تعلق عمل سے نہ ہو اور جو عجائب و غرائب اور قصے اور کہانیوں پر مشتمل ہوں۔ اور ان میں تفریح طبع کا سامان زیادہ ہو، اسی لیے شعراء کے کلام اور اشعار کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے، چنانچہ بعض مرتبہ جلسہ کے پورے پروگرام کو ہی محفلِ مشاعرہ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

لہذا آج ہزاروں تقریریں سن لیں اور ہزاروں محفلوں میں شرکت کر لیں، زندگی جیسی پہلے تھی ویسی آج بھی ہے، جس طرح پہلے ہمارے دلوں میں گناہوں کا شوق اور گناہوں کی رغبت تھی، وہ آج بھی موجود ہے، جلسہ سننے سے پہلے بھی بے نمازی تھے اور بعد میں بھی بے نمازی ہیں، ان حالات میں کوئی تبدیلی اور فرق نہیں آیا۔

قرآن نافع ہے، پھر نفع کیوں نہیں ہوتا؟

اخیر میں مجدد ملت حضرت تھانویؒ کی بات پر مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔ حضرت والا فرماتے ہیں: بلاشبہ قرآن نافع ہے، نصیحت ہے، لیکن اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: ”إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ“۔ (سورہ ق: ۳۷) یعنی اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لیے جس کے اندر دل ہے، یا لگائے کان دل لگا کر۔ یعنی ان عبرت ناک واقعات میں غور و فکر کر کے وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینے میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں، یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں؛ کیوں کہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہوشیار ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ آیت: ”إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ“۔ (الرعد: ۱۹) یعنی بلاشبہ عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اور اس جیسی آیتیں۔

یعنی جو شخص سوچے، یاد رکھے، خیال کرے، قصد کرے، ہمت بھی کرے تو اس کو نفع ہوگا، مگر ہماری حالت یہ ہے کہ نہ سوچتے ہیں، نہ یاد رکھتے ہیں، نہ خیال کرتے ہیں، نہ قصد، نہ ہمت، نہ عمل، تو نفع نہیں ہوتا۔ (اصلاح النساء: ص: ۱۲۶، ۱۲۷)

اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے عمل میں اخلاص عطا فرمائے۔ آمین



اسلام میں کردار سازی کی اہمیت و ضرورت

از: مولانا سرار الحق قاسمی

گزشتہ دو تین صدیوں سے عالمی پیمانے پر اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو مسخ کرنے کی جو مہم چل رہی ہے، اس میں روز بروز تیزی ہی آتی جا رہی ہے۔ پہلے ایک جھوٹ یہ پھیلا یا گیا کہ اسلام ایک انتہا پسند مذہب ہے اور اسے ماننے والے سارے کے سارے مسلمان انتہا پسند ہیں، دہشت گردی کا ہوا کھڑا کیا گیا اور اس میں بھی مسلمانوں کو ہی ملوث کیا گیا۔ رفتہ رفتہ ایسا ماحول بن گیا کہ دنیا بھر میں جہاں کہیں کوئی قتل و غارت گری کا واقعہ رونما ہو لوگوں کا ذہن فوراً کسی مسلمان کی طرف جاتا ہے اور عام طور پر نام نہاد تحقیقات کے نتائج بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پھر اس دہشت گردی کو خود مسلمان ملکوں پر تھوپ دیا گیا؛ چنانچہ اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ محض گزشتہ دس سال کے اندر خلیج کا نقشہ کچھ سے کچھ ہو گیا ہے، افریقی عربی ملک تہہ و بالا ہو چکے ہیں، اربوں کا مالی اور کھربوں کا جانی نقصان ہو چکا ہے اور عام انسانی زندگی ہر لمحہ خطرات سے دوچار ہے؛ حالاں کہ انتہا پسندی یا دہشت گردی کا مسلمانوں پر الزام خالص جھوٹ اور عالمی استعمار کی سازشوں کا حصہ تھا؛ مگر اسے اتنی بار دہرایا گیا کہ ساری دنیا نے اس بات کو حقیقت کی طرح مان لیا؛ جب کہ اس وقت خود مسلمان اس دہشت گردی کے سب سے زیادہ شکار ہیں۔

دوسری طرف دنیا میں ایک بڑا طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے، جو مسلمانوں کو اخلاقی طور پر پریشان سمجھتا ہے۔ گویا ان کی نظر میں مسلمان بد اخلاق ہیں، وہ لوگوں کے ساتھ صحیح برتاؤ نہیں کرتے، وہ جھوٹ بولتے ہیں، وعدہ خلافی کرتے ہیں، آپس میں لڑتے ہیں اور وہ جرائم میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے بارے میں متعدد سوسائٹیوں میں یہ رائے بھی پائی جاتی ہے کہ وہ صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتے اور گندے رہتے ہیں، ان کی بستیوں میں غلاظت پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے مسلکی تنازعات اور باہمی اختلافات کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے بہت

سے لوگ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ مسلمان اپنی جہالت اور غیر مہذب ہونے کی وجہ سے باہم دست و گریباں رہتے ہیں اور ان کا معاشرہ آپسی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں سے عبارت ہے۔ اس طرح کی باتیں بنا کر مسلمانوں کی شبیہ کو منفی انداز میں پیش کرنے کا عمل برابر جاری ہے، جس کا نقصان مسلمانوں کو ہر سطح پر اٹھانا پڑ رہا ہے اور اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو انھیں مزید مسائل کا سامنا کر پڑ سکتا ہے۔

یہاں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ تمام الزامات جو مسلمانوں کے خلاف لگائے جا رہے ہیں، صد فی صد درست نہیں؛ بلکہ بعض الزامات تو محض مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ ہیں۔ جیسے کہ مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کا الزام؛ کیونکہ مسلمان جس دین کی پیروی کرتے ہیں، وہ امن کا داعی ہے اور نہ صرف امن و امان کی تعلیم دیتا ہے؛ بلکہ امن کے قیام کے لیے ایک جامع و موثر نظام بھی پیش کرتا ہے۔ اسلام کا امن پر مبنی یہ نظام اس قدر مستحکم اور موثر ہے کہ اگر اس کو آج کی دنیا میں جب کہ ہر طرف خوف و ہراس اور بد امنی پائی جاتی ہے، نافذ کر دیا جائے تو پوری دنیا میں امن کی ہوائیں چلنے لگیں گی۔ ظاہری بات ہے کہ جو دین خود امن کا علمبردار اور دہشت گردی کا مخالف ہو، اس کے ماننے والے کیسے دہشت گرد ہو سکتے ہیں؟ اس تناظر میں مسلمانوں کو بحیثیت قوم دہشت گرد کہنا کھلی بددیانتی اور زیادتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ اقوام و ملل جو تمام مسلمانوں پر بد اخلاقی، تاریک خیالی، بد عنوانی، جرائم اور انسانی قدروں کی پامالی کا الزام لگاتی ہیں وہ خود اپنا محاسبہ کریں کہ وہ جرائم میں ملوث ہیں یا نہیں، بد عنوانی، چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری، کذب گوئی، بد اخلاقی اور انسانیت کی پامالی ان میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ جس بڑے پیمانہ پر آج خود کو مہذب کہنے والی قومیں بد عنوانی کی مرتکب ثابت ہیں اور انسانیت کا گلا گھونٹ رہی ہیں، انھوں نے دنیا کو نئے نئے مسائل سے دوچار کر دیا ہے اور تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ ان اقوام کو چاہیے کہ وہ بے حیائی، فحاشی، زنا کاری، نا انصافی، فریب دہی اور اپنے مفاد کے لیے دنیا پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے سے باز آئیں؛ تاکہ دنیا تباہی سے بچ سکے۔

البتہ ہمیں اس حقیقت کو ایک حد تک تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلم معاشرے میں اخلاقی اعتبار سے بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ بحیثیت مذہب کے اسلام نے تو پوری انسانی زندگی کا ایک نظام ہمیں دیا ہے؛ مگر اس نظام پر عمل کتنا کیا جا رہا ہے، یہ قابل غور ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ سچ بولو، وعدہ پورا کرو، عہد شکنی نہ کرو، باہم مت جھگڑو، بھائی بھائی بن کر رہو، کسی کا دل مت دکھاؤ، جو لوگ ضرورت مند ہیں ان

کی ضرورتوں کو پورا کرو، انصاف قائم کرو، کسی پر زیادتی مت کرو، حقوق کو پورا کرو، عورتوں کے حقوق کو بھی، پڑوسیوں کے حقوق کو بھی، محلہ والوں کے حقوق کو بھی، مسلمانوں کے حقوق کو بھی اور غیر مسلموں کے حقوق کو بھی۔ کسی کا قتل مت کرو، چوری نہ کرو، زنا کے قریب بھی مت جاؤ، بے حیائی سے دور بھاگو، حلال رزق کھاؤ، اخوت و مساوات کا مظاہرہ کرو، اپنے بچوں کی اچھی طرح تربیت کرو، امانت و دیانت داری کو اور ظاہری و باطنی صفائی کو اپنا شعار بناؤ، دنیا اور آخرت دونوں جہان میں کامیاب ہونے کی فکر ودعا کرو؛ مگر آج ایسے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے؛ بلکہ ایسے ہی لوگ زیادہ ہیں جن کی زندگیوں میں اسلام نظر نہیں آتا، بہت سے لوگ ہمیں ایسے دکھائی دیتے ہیں، جو بدعنوانی اور جرائم میں بھی ملوث ہیں، بہت سے ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں کہ جن کے اخلاق بہترین نہیں، ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو کذب گوئی، وعدہ خلافی اور عہد شکنی میں آگے آگے رہتے ہیں، نا انصافی، عدم مساوات، اونچ نیچ کا فرق، باہمی تنازعات اور بدکرداری بھی ہمیں مسلمانوں میں خوب نظر آتی ہے اور مسلم معاشرہ میں بعض ایسی چیزیں صاف دکھائی دیتی ہیں جو اسلام کے منافی ہیں اور انسانیت کے بھی۔ بھلے ہی یہ ساری باتیں دیکھنے میں کتنی ہی چھوٹی نظر آئیں؛ مگر وہ حقیقت کے اعتبار سے کافی بڑی ہیں اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کا سامان فراہم کر رہی ہیں؛ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اپنی عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات کو نافذ کریں اور اپنے انفرادی و اجتماعی کردار کو بہتر و بلند کرنے کے لیے ان تمام اصولوں پر عمل کریں، جن کی طرف قرآن و سنت میں ہدایت کی گئی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرن اول میں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ اسلام کے دنیا کے ایک بڑے حصے میں پھیلنے کی ایک بڑی وجہ اس زمانے کے مسلمانوں کا پختہ اور مثالی کردار و اخلاق بھی تھا، بڑے سے بڑا دشمن ان کے کردار کو دیکھ کر دوست بن جاتا تھا اور کٹر مشرک اور کافر بھی کلمہ پڑھ کر دامن اسلام سے وابستہ ہو جاتا تھا۔ افسوس کہ آج ہمارے اخلاق و کردار کو دیکھ کر دوسرے مذہب کے لوگ متاثر ہونے کے بجائے بدظن ہوتے ہیں اور وہ ہماری بد عملیوں کا رشتہ سیدھے اسلام سے جوڑتے ہیں؛ حالاں کہ اسلام کی تعلیمات تو آج بھی اپنی جگہ مبنی بر صداقت ہیں اور ان کی بنیاد خالص خدائے تعالیٰ کی وحی اور انسانیت کے عالمگیر جذبے پر قائم ہے، بس ضرورت یہ ہے کہ جس طرح قرن اول کے مسلمانوں نے انھیں اپنا کردین کی سر بلندی و مقبولیت کا پرچم لہرایا تھا اسی طرح اگر آج کے مسلمان بھی ان تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں اتار لیں تو نہ صرف یہ کہ اسلام کے تین لوگوں کی بدگمانی دور ہو جائے گی؛ بلکہ وہی لوگ اسلام کے قریب آنا چاہیں گے، جو آج اس سے وحشت زدہ ہیں۔

مسائل و فتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں:

- (۱) شریعت کے اندر سلام، مصافحہ اور معافہ کا حکم، وقت اور طریقے کیا ہیں؟
- (۲) عید کی نماز کے بعد اگر آپس میں سلام، مصافحہ اور معافہ کرے اور اس کو ضروری یا لازم نہ سمجھے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟
- (۳) کچھ لوگ گھر سے باہر رہتے ہیں، ان سے عید گاہ میں ملاقات ہوتی ہے، تو ان سے مصافحہ اور معافہ کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

المستفتی:

محمد لقمان قاسمی عفی عنہ
کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون ملہم الصواب: سلام کرنا سنت ہے ملاقات کے وقت اور مصافحہ، سلام کا تکملہ ہے، لہذا یہ مسنون و مستحب ہے، سلام مسنون یہ ہے کہ کہا جائے ”السلام علیکم“ اور ورحمۃ اللہ کا اضافہ ہو تو بہتر ہے اور اس سے بھی افضل یہ ہے کہ اس طرح سلام کیا جائے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور مصافحہ میں سنت دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ہے، صحابہ، تابعین اور مشائخ عظام سے یہی طریقہ منقول ہے والسنة أن تكون بکلتا یدیه (شامی) حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: علّمني رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. وَكَفَّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ التَّشَهُدَ كَمَا يَعْلَمُنِي السُّورَةُ مِنَ الْقُرْآنِ. یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد ایسے سکھایا جیسے قرآن کی سورت سکھایا کرتے تھے اور اس وقت میرا ہاتھ آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھا (بخاری) اگر کسی

سے غایت درجہ کی معرفت ہو یا طویل فصل کے بعد ملاقات ہوئی ہو تو ایسے مواقع پر جوش و فرط مسرت میں معافہ کرنا بھی ثابت و مشروع ہے، معافہ یعنی گلے ملنا ایک مرتبہ میں ایک بار اور ایک ہی جانب ہونا چاہیے، بار بار یا تین مرتبہ ملنے کو ضروری سمجھنا جہالت یا رسم ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ معافہ دائیں جانب کرنا چاہیے یا بائیں جانب، اجازت دونوں طرف میں ہر طرف کی ہے؛ لیکن بائیں جانب رائج ہے؛ کیوں کہ ادھر دل ہے جو مرکزِ محبت ہے اور معافہ جوشِ محبت کی وجہ سے ہی مشروع ہے تو دل سے دل مل جائیں، اس سے محبت بڑھے گی۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:.... اس بارے میں کوئی صراحت نظر سے نہیں گزری، عام اصول کے مطابق تو تیا من (دائیں) کو ترجیح معلوم ہوتی ہے؛ مگر معافہ کا منشاء چونکہ ہيجان الحُبہ ہے جس کا محلِ قلب ہے اور صورت تیا سر (دائیں طرف سے معافہ کرنا) میں جانین کے قلوب باہم زیادہ قریب ہوتے ہیں اس لیے تیا سر رائج ہے... (احسن الفتاویٰ ۸/۴۱۱)

(۳،۲) عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معافہ کا بعض علاقوں میں رواج ہے گو کہ لوگ اعتقاداً اس کو ضروری نہ سمجھیں؛ لیکن عملاً اس کا التزام کرتے ہیں بایں طور کہ نماز سے پہلے ملاقات ہونے پر کوئی مصافحہ یا معافہ نہیں کرتے، لوگ گھنٹوں پہلے مسجد یا عید گاہ میں آ کر بیٹھے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھتے اور باتیں بھی کرتے ہیں اور نماز کے اختتام پر اچانک گلے ملنا شروع کر دیتے ہیں، یہ التزام و تخصیص درست نہیں۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہیئت اور کیفیت معین فرمادی ہے اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے؛ اس لیے عبادات میں سے ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف پہلی ملاقات کے وقت بالاجماع یا رخصت کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے، بس اب اس کے لیے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی موقع محل تجویز کرنا تغیر عبادت ہے جو ممنوع ہے، لہذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنج گانہ مکروہ و بدعت ہے۔“ (امداد الفتاویٰ) جو لوگ گھر سے باہر رہتے ہیں اگر ان سے عید گاہ میں ہی عید کی نماز کے بعد ملاقات ہوئی ہے تو ان سے مصافحہ و معافہ میں حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

وقار علی غفرلہ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۹/۱۱/۲۴ھ

الجواب صحیح:

حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ، محمود حسن بلند شہری غفرلہ

مفتیان دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
مسئلہ یہ ہے کہ سواستھئی ॥ یا اوم (ॐ) یا اسی طرح جے ماتا دی وغیرہ جو کہ غیر مسلموں کا پہناوا ہے، مسلمان لڑکیاں مزدوری کے طور پر موتیوں کے ہار یا پیٹیوں میں بناتی ہیں تو کیا یہ بنانا یا اس کی کمائی جائز ہے یا ناجائز؟
قرآن و حدیث کے روشنی میں مفصل جواب مرحمت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی:

قاری محمد آصف شاملی

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب بعون ملہم الصواب: مسلم لڑکیوں کو چاہیے کہ موتیوں کے ہار یا پیٹیوں پر ہندوانہ علامات بنانے سے احتراز کریں شرعاً اس کام کی کمائی جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم.

وقار علی غفرلہ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۹/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح:

حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ، محمود حسن بلند شہری غفرلہ

مفتیان دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

=====

احوال و کوائف

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

مجلس شوریٰ صفر ۱۴۴۰ھ کا اجلاس

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا دوروزہ اجلاس ۱۲-۱۵ اکتوبر ۲۰۱۸ء مطابق ۴-۵ صفر ۱۴۴۰ھ کو دارالعلوم کے مہمان خانہ میں منعقد ہوا۔ ۴ صفر کی صبح کو حضرت مولانا عبد العظیم صاحب فاروقی کی تلاوت کلام پاک سے مجلس شوریٰ کے اجلاس کا آغاز ہوا جب کہ صدرات حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری زید مجدہ نے فرمائی۔ اجلاس کی کل پانچ نشستیں منعقد ہوئیں اور ۶ صفر کو بعد نماز عشاء اجلاس کی آخری نشست اختتام پذیر ہوئی۔

اجلاس میں جملہ شعبہ جات کی سالانہ کارکردگی کی رپورٹیں پیش کی گئیں جن پر مجلس شوریٰ نے اطمینان کا اظہار کیا اور ضروری ہدایات دیں۔ مجلس میں سالانہ بجٹ اور نظم و نسق سے متعلق اہم تجاویز کی منظوری دی گئی۔ علاوہ ازیں سابقہ مجلس کی کارروائی کی خواندگی و توثیق بھی عمل میں آئی۔

اجلاس میں نئے سال کی مجلس عاملہ کے اراکین کا انتخاب بھی عمل میں آیا اور مستقل اراکین (مہتمم اور صدر المدرسین) کے علاوہ حضرت مولانا بدر الدین اجمل صاحب قاسمی، حضرت مولانا عبد العظیم صاحب فاروقی، حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب مالیکاؤں، حضرت مولانا محمد ابراہیم ملک صاحب، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا انوار الرحمن صاحب بجنوری، حضرت مولانا محمود حسن صاحب راجستھانی کو مجلس عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا۔

اجلاس میں ادارے کا سالانہ تخمینہ بجٹ پیش کیا گیا اور سال رواں کے لیے اتفاق رائے سے

35,00,00,000 (پینتیس کروڑ) روپے کے بجٹ کی منظوری دی گئی۔ اس موقع پر اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں میں معمول کے سالانہ پانچ فیصد اضافہ کے ساتھ قابل قدر اضافہ پر غور و خوض کیا گیا اور طے پایا کہ اساتذہ و ملازمین کی مجموعی یافت پر بالترتیب چار ہزار اور تین ہزار روپے اور اجیروں کی یافت میں دو ہزار روپے کا بالقطع اضافہ کیا جائے۔

اس موقع پر شیخ الہند اکیڈمی اور شعبہ تنظیم و ترقی کے لیے نظام کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ مولانا محمد راشد صاحب مظفرنگری مبلغ دارالعلوم کو شعبہ تنظیم و ترقی کا ناظم مقرر کیا گیا جب کہ مولانا عمران اللہ صاحب استاذ دارالعلوم کو شیخ الہند اکیڈمی کا ناظم مقرر کیا گیا اور مولانا محمد سلیمان صاحب سہارن پوری کا نائب ناظم کے طور پر تقرر عمل میں آیا۔

علاوہ ازیں مجلس شوریٰ نے جی ٹی روڈ کے بالمقابل پہلے سے منظور شدہ جدید مسجد کی تعمیر اور باقی ماندہ زیر تکمیل عمارات بالخصوص دار جدید کی تعمیرات جلد مکمل کرنے کی ہدایت کی۔ نیز عید گاہ کے قریب نو تعمیر شدہ دارالمدرسین کی عمارت میں بقیہ کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے اور دارالعلوم کے حوالہ کرنے کی تاکید کی۔ مطبخ کا نظام بہتر بنانے کے لیے مجلس نے اراکین شوریٰ حضرت مولانا انوار الرحمن صاحب بجنوری اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب راجستھانی پر مشتمل ایک کمیٹی بھی تشکیل دی۔ طلبہ عزیز کے حفظان صحت اور سہولت کے لیے موجودہ ”عظمت ہسپتال“ کی توسیع کا فیصلہ کیا گیا اور مستقل طور پر بیس بیڈ کا نیا اسپتال تعمیر کرنے کی تجویز منظور کی گئی۔

مجلس شوریٰ کے دوروزہ اجلاس میں شریک ہونے والے اراکین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی، آسام

حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی، لکھنؤ

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب، مالگواں، مہاراشٹر

حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب مظفر پور

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری، ڈابھیل، گجرات

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب، بانڈی پورہ، کشمیر

حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب، علی گڑھ
 حضرت مولانا انوار الرحمن صاحب، بجنور، یوپی
 حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی، کشن گنج، بہار
 حضرت مولانا محمود حسن صاحب، کھیروا ضلع سیکر، راجستھان
 حضرت مولانا عبدالصمد صاحب، کالیکا پور ضلع ۲۴ پرگنہ، مغربی بنگال
 حضرت مولانا نظام الدین صاحب خاموش چھاپی، گجرات
 حضرت مولانا سید انظر حسین میاں صاحب، دیوبند
 جب کہ دیگر اراکین (حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب کان پور، حضرت مولانا سید رابع
 حسنی صاحب ندوی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدراسی، حضرت مولانا غلام محمد صاحب
 وستانوی، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب سہارن پور اور حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب میل
 وشارم) اپنے اعذار کے باعث اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔



وفیات

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبہ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

مولانا عبدالرشید بستی سابق استاذ دارالعلوم کا انتقال

دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ ادب عربی اور جامعہ امام انور دیوبند کے صدر المدرسین مولانا عبدالرشید بستی کا ۲۵ اکتوبر ۲۰۱۸ء کی شام مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ مولانا مرحوم کی عمر تقریباً باون سال تھی۔ وہ شوگر اور جگر وغیرہ کے عارضہ میں مبتلا تھے؛ لیکن ظاہری طور پر زیادہ قابل تشویش بات نہیں تھی۔ ۲۵ اکتوبر کی صبح کچھ بیمار ہوئے اور شام تک طبیعت بگڑتی ہی گئی اور بالآخر دیوبند سے میرٹھ جاتے ہوئے راستے میں جان جان آفرین کو سپرد کردی۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی اور دیگر حضرات اساتذہ نے مولانا مرحوم کے اہل خانہ کو تعزیت مسنونہ پیش کی۔

۲۶ اکتوبر کو بعد نماز جمعہ دارالعلوم کے احاطہ مولسری میں مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور ”مزار انوری“ میں حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی قبر مبارک کے قریب دفن کیے گئے۔ مولانا عبدالرشید بستی، عربی زبان و ادب کے ماہر استاذ اور ذی استعداد عالم دین تھے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۱ء تک تدریسی خدمات انجام دیں، خصوصاً تکمیل ادب عربی میں آپ انشاء و تمرین کے مقبول استاذ تھے۔

مولانا عبدالرشید بن حاجی گل محمد ضلع بستی کے موضع کمہر یا میں ۱۹۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ مقامی مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کی اور پھر دارالعلوم دیوبند آ گئے جہاں ۱۹۸۶ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد حضرت مولانا وحید الزمان کیرانویؒ کے دامن تربیت سے وابستہ رہ کر عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل کی۔ فراغت کے بعد کچھ سال دارالعلوم الاسلامیہ بستی اور جامعۃ القرآن والسنة بجنور میں مدرس رہے۔

۲۰۰۱ء میں وہ جامعہ امام محمد انور دیوبند میں استاذ مقرر ہوئے جہاں انھوں نے اس نوزائیدہ مدرسہ کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ مدرسہ کے صدر المدرسین بھی رہے۔ انھیں بانی جامعہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کا بڑا اعتماد حاصل تھا۔ انھوں نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی متعدد کتابوں (خاتم التبیین علیہ السلام فارسی، نوادرات کشمیری اردو) وغیرہ کا عربی ترجمہ بھی کیا۔ اس سے قبل وہ مرکز المعارف برانچ دیوبند سے بھی وابستہ رہے اور متعدد کتابوں کی تعریف و تحقیق کا اہم کام انجام دیا، ان میں سے بعض کتابیں شیخ الہند اکیڈمی سے بھی شائع ہوئی ہیں۔ ماہنامہ الداعی میں بھی آپ کے وقیع مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں کے بہترین قلم کار تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

نئی کتابیں

(۱)

| | |
|------------|--|
| نام کتاب : | الدروس النحویہ مع التمرین للمدارس الإسلامیہ |
| تالیف : | جناب مولانا محمد علی بجنوری قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند |
| تعریف : | جناب مولانا محمد ناظم بجنوری قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند |
| صفحات : | ۱۱۲ ، قیمت : (درج نہیں) |
| ناشر : | ادارۃ الصدیق دیوبند |
| تعارف : | مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند |

=====

عرب کہتے ہیں: ”النحو في الكلام كالملح في الطعام“ اس کا مطلب ہے: علم نحو کی حیثیت عربی زبان میں ایسی ہے جیسی نمک کی حیثیت کھانے میں ہوتی ہے، کھانا نمک کے بغیر کھایا نہیں جاتا اسی طرح عربی زبان نحوی اصول و ضوابط کی رعایت کے بغیر بولی نہیں جاسکتی، جس طرح کھانے کے ہر جز میں نمک داخل ہوتا ہے اور اپنا اثر چھوڑے ہوئے ہوتا ہے؛ اسی طرح نحوی قواعد ہر لفظ میں نفوذ کیے ہوئے ہوتے ہیں؛ لیکن نمک کی مقدار کی طرح نفوذ آخری حرف تک ہی محدود رہتا ہے، علم نحو علم صرف کی بہ نسبت وسعت رکھتا ہے، اس کی اصطلاحات بھی زیادہ ہیں، فلسفیانہ بحثیں بال کی کھال نکالنے جیسی ہیں، طلبہ کے لیے نحوی بحثوں پر قدرت حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے، اس دشواری کو ہر زمانے میں ماہرین نے محسوس کیا اور اس کا حل پیش کیا ہے، حضرت مولانا محمد علی بجنوری زید مجدہ اس میدان کے معروف شہسوار ہیں، متعدد کتابیں لکھ کر اور دارالعلوم میں معین المدرسین کو تربیت دے کر انھوں نے اپنا ایک مقام بنایا اور اپنی شخصیت کو متعارف کرایا ہے، نحو صرف کی تدریس کی تربیت کے پروگراموں میں بلائے جاتے ہیں، افریقہ وغیرہ کے شائقین نے اردو نہ جاننے کی وجہ سے عربی

ترجمہ کی خواہش کی، اسی کی تکمیل کے لیے ”الدروس النحویہ“ کا عربی ترجمہ وجود میں آیا، کتاب میں اصطلاحات کی نہایت جامع تعریف لکھی گئی ہے، تمرینات کے ذریعے قواعد کے استحضار کی تدبیریں کی گئی ہیں، مترجم زید علمہ موصوف کے شاگرد رشید ہیں انھوں نے دائرۃ افادیت بڑھانے کے لیے عنوان اور حواشی کا اضافہ کیا ہے، ”اسمائے عدد“ کی بحث اصل کتاب میں نہیں تھی اس کو بھی بڑھایا ہے، اخیر میں مآخذ و مراجع کی فہرست دی ہے، اس میں درج چھپیس کتابوں اور ”فٹ نوٹ“ میں اس کے حوالہ جات کو دیکھ قاری کے اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔

راقم حروف کی نگاہ میں مؤلف و مترجم کی محنت قابل قدر اور لائق تحسین ہے، طباعت کا معیار اچھا ہے؛ البتہ خط باریک رکھا گیا ہے، اگر اگلے ایڈیشن میں قدرے جلی کر دیا جائے تو پڑھنے والوں کو زیادہ سہولت ہو۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمت کو قبولیت سے نوازیں! وباللہ التوفیق۔

=====

(۲)

| | |
|------------|---|
| نام کتاب : | تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری مع کلیات آہ |
| تالیف : | مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی |
| | بانی و مہتمم جامعہ ربانی منور و اشرف سمسٹی پور (بہار) |
| ناشر : | مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منور و اشرف |
| صفحات : | ۷۲۴، قیمت : پانچ سو روپے |
| سن اشاعت : | ۲۰۱۸ء / ۱۴۳۹ھ |
| تعارف : | مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند |

=====

حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری (۱۸۸۱ء تا ۱۹۴۶ء) دارالعلوم دیوبند کے اس مایہ ناز فرزند کا نام ہے، جس کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے، بدعات سے مسموم کان پور کی فضا میں جس نے اپنے استاذ محترم کے ذریعے دیوبندیت کی دھاک بٹھائی، جس کو معقولات کے ساتھ منقولات میں اپنے معاصرین میں امتیاز حاصل تھا، جامع العلوم مظفر پور، دارالعلوم منو اور شمس الہدیٰ پٹنہ میں منطق و فلسفہ کے ساتھ فقہ و حدیث کی کتابوں کا مثالی درس دیا، علمی کمالات کے ساتھ ادب و انشاء میں امتیاز، کمال اور برتری بہت کم علماء کے حصے میں آتی ہیں،

موصوف اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں شستہ اور شگفتہ انداز میں لکھتے تھے، شاعری میں زبان و بیان کے ساتھ فکر و فلسفہ کی باریکی، پاکیزگی، ندرت، دل کشی، حکمت آفرینی اور وارفتگی و شیفنگی خوب ملتی ہے، معرفتِ الہی، مفراقبہٴ محبوب اور وصل و فصل کے رموز بڑی کامیابی سے بیان فرماتے ہیں۔ شاعری میں کہیں غالب کی رعنائی کے ساتھ ایہام و ابہام دکھائی دیتا ہے؛ تو کہیں میر کا سُرد؛ کہیں اقبال کا آہنگ اور کہیں جگر کا نغمہ سنائی دیتا ہے۔ معرفتِ الہی میں حیرانی، مراقبہٴ ذات، آہ سحرگاہی اور وصل کی تڑپ کی تعبیر کس طرح کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے!

گردش میں آفتاب بھی ہے ماہ تاب بھی
منزل کا تیری ملتا کسی کو نشان نہیں

کس دن ترا خیال ہمیں جانِ جاں نہیں
گزری وہ کون رات کہ آہ و فغاں نہیں

کعبے میں تم ملے، نہ کلیسا میں تم ملے * روزِ ’’الست‘‘ سے تمہیں ڈھونڈا کہاں نہیں

تم سراپا ناز ہو، ہم ہیں سراپا آرزو * کشمکش ہے کس طرح سے وصل، آخر کار ہو

آیا خیال جب کبھی تصویرِ یار کا * ایسے خموش ہم ہوئے گویا زباں نہیں
امید وصل میں مایوسی کے بعد کی کیفیت کی تعبیر دیکھیے!
امید وصل نے کیسی دکھائی آہ مایوسی * کہ ہم پینے کو ہر دم ساغرِ زہر آب رہتے ہیں
سہلِ ممتنع کی مثال ملاحظہ کریں:

ہم سے ملنے میں وہ بہانہ کریں * عذر اغیار سے ذرا نہ کریں
میں ہوں بیمار چشمِ نرگس کا * دوست میرے، مری دوانہ کریں
ہے تواضع یہی، یہی تسلیم * سر کو سجدہ سے ہم جدا نہ کریں
درد و غم کو میر کی طرح بڑے عمدہ انداز میں بیان کرتے ہیں:

کسی کو کیا خبر دردِ جگر کی * تڑپ کر آہ ہم نے شبِ بسر کی

ناصح نہ پوچھ مجھ سے میرے رنج و یاس کو * خاطر جو ہولول تو ممکن بیان نہیں

اپنی اسلامی شاعری کی پاکیزگی اور بلندی کو بیان کرتے ہوئے، کہتے ہیں:
فیض روح القدس سے، اے آہ میں ہوں مستفیض

میری نظمیں کاشفِ اسرار قرآن ہو گئیں

موصوف کی شاعری کے یہ چند نمونے ہیں، پوری کلیات معنویات سے لبریز اشعار کی ستائش ہے، عربی اور فارسی زبان میں بھی نظمیں اور قصیدے ملتے ہیں۔ اصناف کے لحاظ سے مفتی اختر امام عادل قاسمی زید مجدہ نے مرتب فرمایا ہے، اس میں قصیدہ، نظم، غزل، مرثیہ، رباعی اور قطعات ہیں، تاریخی قطعات بھی نظر آئے، قصائد میں جہاں طربیہ اور نشاطیہ اسلوب ہے، وہیں مراثنی میں غم ناک بھی بے پناہ ہے، حضرت آہ نے اپنی شاعری کو دیوان کے انداز میں حروفِ تہجی پر مرتب فرمایا تھا؛ مگر دس بارہ حروف پر اشعار نہیں تھے؛ اس لیے مرتب نے صنفی ترتیب کو مناسب سمجھا، ترتیب نہایت عمدہ ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت آہ کی سوانح مرتب ہوئی، گویا ان کو دوبارہ زندگی مل گئی، اگر یہ سوانح اور کلیات مرتب نہ ہوتیں تو موصوف کو ہم سب جان نہیں سکتے تھے، قارئین کو نام میں لفظ ”تذکرہ“ سے دھوکہ نہ ہو، یہاں تذکرہ کے اصطلاحی مراد نہیں؛ بلکہ ”سوانح“ کے معنی میں ہے۔ محقق مرتب نے مجموعے میں صوبہ بہار کی علمی، ادبی اور فنی تاریخ بھی شامل فرمائی ہے، مفید حواشی بھی لکھے ہیں جن سے کلیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور درآئی شخصیات، مقامات اور مبہمات سے قاری متعارف ہو جاتا ہے، موصوف کی محنت قابلِ داد اور لائق ستائش ہے، رسم الخط باریک ہے اگر قدرے جلی ہوتا تو بہتر تھا اور بعض جگہ پروف ریڈنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں، مثلاً ”بوچڑ خانہ“ (ص ۱۲۶) کا املا غلط ہے، ”ز“ کی بجائے ”ر“ ہے، ایک جگہ ”کالوں“ کو ”کالوں“ (ص ۶۲۲) لکھا ہے وغیرہ اگر اگلی اشاعت میں اس پر توجہ دیں تو بہتر رہے گا۔

بہر کیف! کتاب بڑی عمدہ اور مفید ہے، محنت سے لکھی گئی ہے، کلاسیکی ادب میں اس کے مقام و مرتبہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، اللہ کرے موصوف کی کاوش شرفِ قبول حاصل کرے!